مکالمۂ غالب

ڈرامہ

(خطوطِ غالب کے آئینے میں)

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا
غالب

سیّد مرتضیٰ حسین بلگرامی

ناشر: بک سنٹر۔ ڈگی روڈ۔ علی گڑھ ۲

دیگر تصانیف :-

۱- انشائے بے خبر

۲- بال جبریل معہ مقدمہ و فرہنگ

زیرِ طبع :-

۱- ترجمہ ذکرِ میرؔ

۲- محیط آشنا

۳- غالبؔ نما

سال طباعت : ۱۹۷۰ء

قیمت : چار روپے

مطبع : یونین پرنٹنگ پریس دہلی

ناشر : بک سنٹر ڈگی روڈ

علی گڑھ ۲

انتساب

اردو کے منفرد ادیب و ناقد

الحاج سید وصی احمد صاحب بلگرامی مدظلہٗ

کے نام

جن کی نگاہ میں اردو کے قدیم و جدید کا
سارا سرمایہ یک قطرۂ آب کا درجہ رکھتا
ہے

فہرس

غالب اپنے آئینہ میں

اکبر آباد (آگرہ) کی سرزمین نے بڑے بڑے فقہا علمار اور سخن ور پیدا کیے۔ جن میں میر تقی میر، نظیر اکبر آبادی اور غالب شعرار کی صف میں محتاج تعارف نہیں۔ غالب ذہنی طور پر بلوغ سے قبل ہی بالغ نظر ہو گئے تھے۔ ان کی سوجھ بوجھ، ان کا انداز فکر اور ان کی ذہنی رسائی کے خاکے ان کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ ہم یقینی طور پر یہ بات تو نہیں کہہ سکتے کہ غالب کا بچپن کس عالم میں گزرا۔ لیکن نگاہ تصور سے اس بات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ انہوں نے جو نام پایا اور شہرت کمائی اس میں انہوں نے کسی دوسرے کو شریک کار نہیں کیا، یعنی غالب نے کسی کو اپنا استاد تسلیم کرنے سے نہ صرف قطعی طور پر انکار کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے علم و فکر کو جلا دینے والا کوئی معلم میسّر ہی نہیں آ سکا۔ پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی ابتدائی عمر میں مولوی محمد معظم کی شخصیت ایسی ملتی ہے جس سے انہوں نے اپنے بچپن میں ابتدائی فارسی زبان کے درس لیے۔ فارسی اس عہد کی عام بول چال کی زبان تھی۔ سرکار، دربار اور علمی حلقہ میں بھی اس زبان کا چلن تھا۔ اس کے سوا غالب خود سلجوقی ترک تھے اس لیے ان کے گھر میں بھی وہی زبان استعمال کی جاتی ہوگی جو قریب یہ فارسی تھی۔ چنانچہ ان کی تحریروں کا اگر غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ جہاں جہاں

انہوں نے متروک الفاظ استعمال کیے ہیں وہ اس بات کی علامت ہیں کہ گو ان کا چلن فارسی میں باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن اردو میں انھیں وہ خود استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ حیرت ہے کہ جس شخص نے ابتدائے عمر میں فارسی کی معمولی قابلیت حاصل کی ہو، وہ نہ صرف زبان داں مشہور ہوتا ہے بلکہ دقیق اور دشوار گزار مباحث پُر رموز و نکات پر دلیل و براہین کے ساتھ بحث کرتا ہوا بھی نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے قتیل بلگرامی، حضرت صاحب عالم مارہروی، علائی خاں اور مرزا تفتہ، نیز دوسرے حضرات کے خطوط میں جن معمولی الفاظ پر نا قدانہ اور نگاہ بلند کے تحت ان کے معانی و مطالب پر بحث کی ہے، وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ انہوں نے کسی بہت بڑی خانقاہ علمیہ سے درس و تدریس کی تکمیل کی ہوگی۔ جہاں گلستاں، بوستاں اور خالق باری اور درس نظامی کے سوا عربی اور فارسی کے غلط محاورے اور اصطلاحات پر کھی کی بھی مکمل طور پر تعلیم دی جاتی رہی ہوگی۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ انہوں نے مبداء فیاض سے جو کچھ پایا، اسی پر اپنی علمیت کی عمارت اور بنیاد قائم کی تھی۔

کسی ادیب کے فن کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے فن کے واسطے سے اُس زبان کے ادب کو عروض اور معروضی حدوں سے آگے نکال کر عوامی بنا دے۔ اُردو زبان کی حیثیت کا یہ حال ہے کہ یہ پہلے قلعۂ بنگال میں محدود رہی، بعد میں قلعۂ معلی میں محصور ہو کر رہ گئی۔ مگر غالب نے اپنے فکر و فن، اپنی علمی وجاہت اور صلاحیت و قابلیت نیز اپنے وجدان سے زبان و ادب کو وہ اعلیٰ معیار اور اعلیٰ تصور بخشا کہ آج زمانہ ان کے افکار کے چراغ سے اپنی محدود صلاحیتوں کے چراغ کو جلانے پر مجبور ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ غالب عمر کی ۱۳ سالہ بہاریں اکبر آباد کی سرزمین پر گزارنے کے بعد شاہجہاں آباد یعنی دہلی کی سرزمین سے وصل و پیوند قائم

کرنے پر مجبور ہوگئے۔ جبکہ ان کی ماں عزت النساء بیگم آگرہ میں قیام پذیر رہیں بلکہ خود غالب دہلی کے گلی کوچوں میں زندہ مقید ہوگئے۔ لیکن اس قید و بند، حیات و کشمکش میں بھی انہوں نے زبان و ادب سے رشتہ باقی رکھا۔ تاریخی اعتبار سے آگرہ کے قیام کی عمر لہو و لعب میں بسر ہونی چاہیئے تھی۔ اسی طرح دہلی کی عمر فرحت و شادمانی کی ممد ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن غالب نے لاشعور میں بھی ایسا نہیں سوچا ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ وہ میر تقی میر، صائب، فیض، بیدل، نظیری اور انوری کے کلام کو اپنا مرکز نظر بنائے رہے۔ یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ وہ میر کی سادہ لوحی اور ان کی قادر الکلامی سے اپنے بچپن ہی میں بھی متعارف ہوگئے ہوں گے کیونکہ میر جب عمر کی آخری منزل میں پہنچے تو غالب کا عنفوان شباب تھا۔ اس لیے ایسا ممکن نہیں ہے کہ آگرہ کے دیار و امصار میں لکھنؤ سے کسی آنے والے مسافر نے میر کی کوئی غزل، کوئی قطعہ کوئی بیت یا کلام تازہ کا ذکر کیا ہو اور اس کی اطلاع غالب کے کانوں تک نہ پہنچی ہو، قیاس اغلب تو یہی ہے کہ غالب سلجوقی خاندان اور ایک ترک ہونے کے باوجود اردو زبان میں جو سادہ روش کے موجد ہوئے اس میں میر کی نادیدہ ذہنی تربیت کا حصہ زیادہ ہے۔ چنانچہ غالب نے سادہ نگاری اور آسان عام فہم نگاری بلکہ عوامی زبان کی تعمیر کے سلسلہ میں جو طریقہ اپنایا وہ ان کے دور کی بات نہ تھی۔ بلکہ میر تقی میر کے کلام کا فیض تھا جس نے غالب جیسے فارسی النسل شخص کو سادہ نگاری پر متوجہ اور متاثر کیا۔

غالب کی زندگی کا اگر یک نظری جائزہ بھی لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی عمر ابھی چار یا پانچ سال کی تھی کہ ان کے باپ مرزا عبداللہ بیگ کا انتقال ہوگیا۔ باپ کے انتقال کے بعد ان کے چچا مرزا نصراللہ بیگ نے اپنے بھتیجے

کو گلے لگالیا۔ لیکن قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آٹھ یا نو سال کی عمر بھی نہ ہو پائی تھی کہ چچا کا سایۂ عاطفت و مہربانی بھی، نامہربانی میں بدل گیا اور وہ بھی ایک حادثہ میں عالم جاودانی کو چلے گئے۔ اب کون سرپرست تھا جو اس کم عمر بچے کی رہبری کرتا؟ دنیاوی آلائشوں سے محفوظ رکھتا؟ سوا اس بات کے اور کوئی بات خانۂ خیال میں نہیں آتی کہ غالب کی اپنی انفرادیت اور خودی نے انکو بچائے رکھا۔ یہاں تک کہ وہ اکبرآباد سے دہلی منتقل ہوگئے۔ اور تیرہ سال کی عمر میں ان کی شادی نواب نبی بخش خاں معروف کی چھوٹی لڑکی امراؤ بیگم سے ہوگئی۔ جس کی وجہ سے وہ تاحیات شہر دہلی کے زندانی قرار پائے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور جھرکا نے ان کے چچا نصر اللہ بیگ کی ۲۵ ہزار سالانہ کی جائیداد کی کچھ اس طرح قطع و برید کردی کہ غالب اپنی نابالغی کی عمر میں کچھ بھی نہ کرسکے اور ان کے حصہ میں جائیداد کی رقم ساڑھے ۶۲ روپیہ ماہانہ آسکی۔ یہ بات باپ و چچا کے غم سے زیادہ باعث رنج و کلفت تھی جو غالب کو تاحیات برداشت کرنی پڑی۔ یعنی خواجہ حاجی کو جو حصہ دیا گیا وہ ناحق کی دین تھی۔ آگرہ میں وہ اپنے نانا غلام حسین کمیدان کی جائیداد سے بھی کچھ نہ کچھ پاتے تھے۔ دہلی آئے تو ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار کا منہ دیکھنا پڑا۔ اِدھر اُدھر کی یافت بے بھروسہ بات تھی مستقل آمدنی کا کوئی جائز ذریعہ نہیں تھا۔ اب ان کے لیے مشکل ہوگیا کہ وہ زندگی کے دن کس نہج پر گزاریں۔ اس کے لیے انہوں نے بادشاہوں، راجاؤں، نوابوں اور دوسروں کا منہ دیکھا کیونکہ ہاتھ کھلا ہوا، ذہن فراخ، دل وسیع اور قلب نرم تھا۔ اندر باہر سب ملا کر کم و بیش دس پندرہ آدمی تھے۔ آئے گئے کی تفصیل کو کون بیان کرسکتا

لیکن کلو، مداری، کلیان، گھمن، نیاز علی، اور ان کے بچے تو خطوط غالب میں موجود ہیں۔ ان کے سوا بھی وفادار بیگ اور ایک دو خادمہ مزید اندرون خانہ بھی تھیں۔ پھر غالب کو شراب کی لت اور جوئے کی عادت نے بھی پریشان کر رکھا تھا اس سلسلہ میں وہ زندانی بنے اور چھ ماہ کی سزا کے حکم کے موجب قرار پائے۔ مقروض تھے۔ پریشان حال تھے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی انانیت کو کسی حال میں بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ ان پریشانیوں میں ان کے سسرالی رشتہ داروں کے حسن سلوک کو جس قدر دخل ہے وہ ایک تاریخی بات ہے اس سے قطع نظر غالب نے اپنی زندگی کو اپنے شعور اور اپنے مزاج کو اس خدنگ دار رستہ کر لیا تھا اور علم و ادب سے ایسا عظیم رشتہ قائم کر لیا تھا کہ مصائب کی داستان، طویل سے طویل تر ہوتی گئی لیکن ان کی ذہنی کیفیت میں کسی طرح کا فرق نہ پیدا ہو سکا۔

یہی سبب ہے کہ انہوں نے، علم و ادب۔ زبان و بیان کو وہ آہنگ عطا کیا جو ایسے حالات میں اور اس عہد میں کسی دوسرے ادیب سے ممکن نہیں تھا ہمارے آپ کے عہد کی بات ہے مجاز اور فانی کا حشر کیا ہوا؟ اختر شیرانی اور ہری چند اختر کی زندگی کس نہج سے گزری۔ ؟ ان کے ادبی کارنامے ان کی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اجاگر نہیں ہو سکے۔ اس کے برخلاف غالب نے مشکلات پیہم و مصائب کے باوصف اپنی نگارشات و خیالات کے ذریعہ فکر انگیز رجحانات کو عام کیا۔

زود گوئی اور بیادہ گوئی میں جو تضاد اتفاق اور وصل و فصل ہے اہل بصیرت جانتے ہیں۔ غالب نے زود نویسی سے کام لیا ہے۔ بے شمار خطوط اور ہر طرح کی تحریریں، تقریظیں زود رائی کی مثال بن سکتی

ہیں لیکن ان پر یاوہ گوئی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح غالب کی تحریروں میں مغلق الفاظ اور ممتز دک الفاظ کے استعمال کا انبار مل سکتا ہے۔ لیکن ان ہی الفاظ کو ہم علمی نقطۂ نظر سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اور غور وفکر کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے بعد غور کریں تو اس سے بہتر اور اس سے نادر لفظ یا تشبیہ اور استعارے وکنائے بلکہ خوبی زبان کی مثال نہیں مل سکتی۔ مثلاً یہ شعر:-

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

یا یہ اشعار:-

نقش ہائے بت طناز با آغوش رقیب
پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار
آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے

ان شعروں میں بعض الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جن میں ان کی نارسی علمیت کا بھرپور عکس نمایاں ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کی صناعی وشبت گری ملاحظہ ہو کو ردیف وقافیہ کو چھوڑ کر یک دو بول اردو کے ملا کر فارسی اشعار کو بقول کسے "اردو یا" دیا ہے۔ اس کے سوا انہوں نے فارسی کے ایسے الفاظ بھی اردو شعر میں ترکیبوں کے طور پر برتنے ہیں جن میں ان کی فنی صلاحیت کی داد دینی پڑتی ہے۔ مثلاً دماغ برداشت کے معنی میں۔ تماشہ دیکھنے کے معنی میں یا ارزانی قسمت کے معنی میں۔ یہ جدت غالب کی اپنی ایجاد کردہ ہے۔ اس طرح وہ ایسے الفاظ بھی سرخروش وسرمستی میں استعمال

کر جاتے ہیں جس سے جہاں اُن کی فارسی علمیت کا وزن و وقار معلوم ہوتا ہے۔ وہیں لطف و حیرت و انبساط بھی جیسے آئینہ آغوش انشاط افروز ایسے الفاظ ہیں جن سے اُردو بول چال میں بھی لطف خاص کی بات آگئی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ دو لفظوں کو کچھ اس طرح ملانے کے گُر سے بھی آگاہ تھے جس کی مثال کسی دوسرے ادیب و شاعر کے یہاں نایاب نہ بھی تو کمیاب ضرور ہے۔ مثلاً دیدۂ عبرت نگاہ، نگار آتش رُخ۔ عشق خون نابۂ مشرب۔ ذوق خامہ فرسا۔ دست تہ سنگ۔ آتش زیرپا۔ جنون جولاں۔ حسن تماشا دوست۔ گوش نصیحت نیوش وغیرہ ایسی تراکیب ہیں جو غالب کی صنعت خاص میں شمار کی جانی چاہیئے۔ یہی نہیں وہ خم کاکل۔ غم دوست ماتم یک شہر آرزو۔ یک نظر بیش۔ طعنۂ نایافت۔ وسعت صحرا نگار۔ بکہ تراز چاک گریباں۔ صورت جرثمیر ذرہ بہ جان اسد۔ باغوش رنتیب وغیرہ۔ کی بھی ترکیبیں مدت العمر لطف انگیزی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ ان الفاظ و تراکیب کا استعمال غالب کے فن کا کمال ہے۔ اور ہم آپ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ؂

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے

لیکن کون ہے جو غالب جیسی صنعت و ادبی فنکاری سے آشنا ہو۔ جو ان کے بعد ایسے اشعار اُردو ادب کو بخش سکے؟

بغل میں غیر کی آج آپ سوئے ہیں ورنہ — سبب کیا خواب میں آکر تبسم ہائے پنہاں کا
گر نہیں نکہت گل کو ترے کوچے کی ہوس — کیوں ہے گرد رہِ جولانِ صبا ہو جانا
یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے — لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن — ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو
مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے — بھوں پاس، آنکھ، قبلۂ حاجات چاہیے
آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے — صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے ہیں — دیکھیں اب مر گئے پر اب کون اٹھاتا ہے مجھے

غالب نے ان اشعار میں جس صناعی اور فنکاری سے کام لیا ہے اس کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ مشکل مرحلوں پر بھی زبان۔ قواعد، الفاظ و معانی محاورہ و افعال، حروف و کلمہ، نیز ملک کی دیگر زبانوں کے الفاظ بالخصوص دہلی اور آگرہ کے اردگرد یعنی دوآبہ میں بولی جانے والی زبان پر انہیں پوری طرح قدرت حاصل تھی نیز یہ بھی کہ انہوں نے اردو میں ٹھیٹھ محاورے، ہریانی سے جنم لینے والی زبان سے قبول کیے۔ چنانچہ آوے۔ جاوے۔ کھائیو۔ رہیو۔ دیکھیے۔ ڈھونڈیے اور ناز و ادا و غمزہ طرازی کے ہم معنی الفاظ اس خوبی سے اپنائے کہ ان پر حرف گیری نہیں کی جاسکتی۔ حسن و ادا۔ عشق و فراق۔ محبت و الفت، نفرت و بے گانگی غصہ اور برہمی، نفسیاتی اور غیر نفسیاتی، خود فریبی و خود بینی، خودداری و ناز و غرور طلب جاہ و حشمت، تصوریت۔ خواہشات دنیا۔ مشکل پسندی۔ ایہام۔ اغلاق اور فلسفیانہ امور پر جس طرز و ادا سے غالب نے اپنی انانیت کو، خودی کو، برقرار رکھتے ہوئے نشان دہی کی اور اسے برتا ہے۔ اس کی تعریف بھی نہیں کی جاسکتی ہے۔

غالب اپنے خطوط اور اپنی شاعری کے واسطے سے ہمارے سامنے سادگی رعنائی فکر، رنگینیٔ خیال، نازک خیالی اور جاہ و جلال، درازی قد کے ساتھ آتے ہیں ~~سو~~ یہی سادگی ان کی معراج اور کمال ہے۔ وہ وجود و عدم وجود۔

ہستی و نیستی کے فرق کو اپنی فلسفیانہ موشگافیوں اور دقیق نظریہ سے بخوبی واشگاف کراسکتے ہیں۔ بالکل اس طرح جس طرح وہ دیسی شراب اور ولایتی شراب کے فرق سے آگاہ تھے ہر زبان کے ہر لفظ اور اس کے ماخذ و مخرج سے واقف تھے۔ سند کے لیے انہیں تلاش و ثبوت کی کم ہی ضرورت پڑتی تھی۔ وہ شاعروں اور شاعری کی بھول بھلیوں سے اور اپنے عہد کے فن کاروں کی علمیت سے بھی آگاہ تھے۔ ان کی قدر کرتے تھے ان کو عزیز رکھتے تھے اسی لیے انہوں نے صرف ان اشخاص سے تعلق قائم رکھا جن کو وہ شعر و ادب اور میدان علم میں اپنے معیار و مزاج کے لائق خیال کرتے تھے۔ ایسے ہی اشخاص میں جن لوگوں کے اسماء گرامی سر فہرست ملتے ہیں ان میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ۔ مولانا فضل حق خیرآبادی مفتی صدر الدین آزردہ حضرت سید صاحب عالم صاحب مارہروی کے سوا حاتم علی مہر، علاء الدین احمد خاں علائی، صفیر بلگرامی، منشی نبی بخش حقیر۔ میر مہدی مجروح۔ میر تفضل علی عرف میرن صاحب، انوار الدولہ شفق، پیارے لال آشوب، ہرگوپال تفتہ، منشی شیو نرائن، جواہر سنگھ، خواجہ غلام غوث بے خبر۔ چودھری عبد الغفور سرور مارہروی۔ اور سید غلام حسنین قدر بلگرامی وغیرہ ایسے اشخاص تھے جن سے غالب کی خط و کتابت رہی۔ ان سے علمی مجادلے ہوئے اور حملے بھی۔ طنز۔ تعریض۔ تعریف۔ طول کلامی سے بھی کام لیا گیا۔ غالب کے خطوط سے جہاں ان کی قادر الکلامی، وسعت نظر اور ان کی استعداد علمی کا علم ہوتا ہے وہیں ان اشخاص کی علمیت و تعلق خاطر کی حد متعین کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غالب بے حد ذہین، طباع، بالغ نظر، قابل فنکار اور نابغۂ وقت تھے۔ ان کے کلام میں ان کی تحریروں میں ترقی پسندانہ رجحانات

اس وقت پیدا ہوئے جب عوام و خواص اس سے نابلد ہی نہیں ناآشنا بھی تھے میر کی ناقدانہ صلاحیتوں کے بعد غالب ہی وہ شخص نظر آتے ہیں جو ادب پارہ کو فن و معیار کی میزان پر تولنے کا ڈھنگ بتاتے ہیں اور جس کا سلسلہ آخری لمحۂ زندگی تک باقی رہا۔ اور حق تو یہ ہے کہ غالب نے شعوری بالغ نظری سے کام نہ لیا ہوتا تو آج امکانی حد تک جدت طرازی اور اسلوب نو، رعنائی و نکھار کی تلاش اردو ادب میں جاری ہے۔ اس کا شعور نہ جانے کب تک ہمارے یہاں وجود میں آتا یہ غالب کا فیضان اور ان کا عطیہ ہے جس سے آج اردو ادب مالا مال ہے، نئے نئے رجحانات و امکانات اور اقدامات پر غور کیا جا رہا ہے۔ ان نئے اور جدید ترقی پسند رجحانات کو غالب نے اچانک عام نہیں کیا۔ پہلے مشکل پسندی سے کام لیا پھر آسان پسندی کی طرف مائل ہوئے یا مائل کیا۔ لیکن جو بھی کیا وہ شعوری طور پر انجام دیا۔ ان اشعار سے غالب کی سہل پسندی اور ترقی پسندی کے رجحانات کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

کون ہوگا جو مشکل پسندی کو گوارا کرے۔؟ کون ہوگا جو خار کو گلوں پر ترجیح دے؟ کون ہوگا جو مقہور و مردود ہونا گوارا کرے؟ لیکن غالب نے طرز عام سے جدا ہو کر نیا اسلوب اختیار کیا۔ اس نے ان کو بے آبرو نہیں با آبرو بنا دیا۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو۔

غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے دل اپنا
خون کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

دردِ دل لکھوں کب تک، جاؤں ان کو دکھلادوں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

ان اشعار میں حقیقت و آفاقیت کا ایسا حسین امتزاج پوشیدہ ہے کہ انسان گھنٹوں بیٹھا ہوا تصور و خیال کی دنیا میں لطف لیتا رہتا ہے یہی فن کا عروج اور فن کار کا کمال ہے۔ غالب نے غالباً اپنے بارے میں کہا تھا ؎

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

نقاب کا اٹھنا اور پردہ کا چاک ہونا، طور کا جلوہ نمائی کی طاقت برداشت کرنا نہ کرنا، یہ سب اپنے کمال پر منحصر ہے، کوئی جل گیا، کوئی بے ہوش ہو گیا جو جل گیا وہ منصور کہلایا اور جو بے ہوش ہو گیا وہ موسیٰ کہلایا۔ غالب کے اشعار کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ کتنے شارح، کتنے مفسر اب تک وجود میں آچکے۔ ان کی تفصیل طول ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اب تک غالباً بیس شرحیں کلامِ غالب کی شایع ہو چکی ہیں اور اسی طرح ان کا کلام مختلف نوع سے اور مختلف اوقات و ممالک میں اب تک تین چار سو بلکہ زائد تعداد میں (ایڈیشن) طبع ہو چکا ہے۔ ہر شخص نے، ہر جہت اور ہر طرح ہر رنگ میں اپنی اپنی پسند کے مطابق ان کا انتخاب کلام شایع کیا۔ رسائل و اخبارات نے ان کی موت کا غم ان کے انتقال کے بعد جس طرح کیا اس کے علم کے لیے ان کے تراشے موجود ہیں۔ آج ہم آپ جس طرح ان کی ادبی

کاوشوں اور صلاحیتوں پر نقد و بحث کر رہے ہیں۔ وہ بھی ان کی یاد منانے کے مصداق ہے۔ آخر میں یہ شعر پیش کر کے رخصت چاہتا ہوں ؎

ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست
واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

سید مرتضیٰ حسین بلگرامی

دہلی یونیورسٹی لائبریری
۲۷ر اگست ۱۹۶۸ء

منشی نبی بخش حقیر

منشی نبی بخش نام، حقیر تخلص۔ ان کے باپ کا نام حسین بخش تھا۔ آگرے کے باشندے تھے اس لیے ممکن ہے کہ غالب سے وطنی قربت اور خیال کی ہم آہنگی نے دونوں کے مراسم میں استواری پیدا کر دی ہو۔ حقیر علی گڑھ میں جب سر رشتہ دار کے عہدے پر متمکن تھے تو غالباً ۱۸۴۶ء میں غالب سے ملنے دہلی بھی تشریف لے گئے تھے۔ غالب ہی کے پاس قیام کیا۔ اس قیام نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ حقیر کی علمی شخصیت سے ان کے دوران قیام میں غالب بہت متاثر ہوئے۔ اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ مرزا تفتہ کو ایک خط میں لکھا کہ

"مشہور ہے کہ خدا نے حسن کے دو حصے کئے۔ آدھا یوسف کو دیا اور آدھا تمام بنی نوع انسان کو۔

کچھ تعجب نہیں کہ فہم سخن اور ذوق معنی کے بھی دو حصے کئے گئے ہوں، آدھا منشی نبی بخش کے اور آدھا تمام دنیا کے حصے میں آیا۔

حقیر اپنی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آگرے ہی جاکر فروکش ہو گئے۔ غدر کے ایک سال بعد یعنی ۱۸۵۸ء میں پنشن ملی اور ٹھیک دو سال بعد ۱۸۶۰ء میں اس دنیا سے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے۔

غالب ان کی سخن فہمی اور سخن سنجی سے بے حد متاثر تھے۔ اپنے دوسرے دوستوں اور شاگردوں کو بھی ان کی لائقی اور سوجھ بوجھ کے سلسلے میں لکھا کرتے تھے۔ حقیر نے بھی آخر دم تک مرزا سے تعلق خاص رکھا۔ مرزا بھی برابر ان کو اپنا کلام بھیجتے رہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی سخن سنج و سخن فہم ہو تو غالب کی سخن سنجی کا اعتراف کرنے میں بخل نہیں کرتے تھے۔

مکالمۂ غالب

(مرزا غالب اپنے خطوط کے آئینے میں)

افرادِ ڈرامہ:

- مرزا غالب • میرِ مجلس
- نبی بخش • دوست، مہمان، حقیر تخلص
- ایاز • ملازم مرزا غالب

ہدایت: (پردہ اٹھتے ہی یہ منظر سامنے آئے کہ مرزا غالب تخت پر بیٹھے کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہوں۔ ایاز جب کمرے میں داخل ہو، تو مرزا اس کے قدموں کی چاپ سے متوجہ ہوں، اور نگاہِ غلط انداز سے اُسے دیکھیں)

(فرش پر چاندنی بچھی ہوئی ہے۔ ایک جانب دو تکیے اور ایک طرف صرف ایک تکیہ رکھا ہے۔ اس کے پاس پیکدان ہے)

(منشی نبی بخش حقیر جب کمرے میں داخل ہوں تو ایک نظر پہلے کمرے پر ڈالیں، پھر مرزا کی طلبی پر ان کے پاس جائیں اور ان سے قریب ہی جو تکیہ رکھا ہے، اس کے پاس بیٹھ جائیں)

ایاز: حضور منشی جی تشریف لائے ہیں۔ (پردہ اٹھتا ہے)

غالب: ارے اجی کون سے منشی جی؟ منشی ہرگوپال؟ منشی مجروح یا منشی جواہر سنگھ؟

ایاز: حضور وہ منشی نبی بخش جی۔

غالب: ایں منشی نبی بخش حقیر؟۔ (دروازے پر نظر ڈالتے ہوئے اور کچھ جمع ضرب کرتے ہوئے) آج ۸ رجنوری ۱۸۵۲ء شنبہ کا دن ہے۔ یہ منشی جی کس سمت سے آگئے؟

(ایاز سے) ارے بھئی تو تم کھڑے کیوں ہو؟۔ جاتے کیوں نہیں منشی جی کو بلاتے کیوں نہیں؟۔

ایاز: حضور کے حکم کا منتظر ہوں۔

غالب: حکم؟۔ ارے منشی جی کے لئے جان حاضر ہے۔ ان کو حکم کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟۔ جاؤ۔ سر آنکھوں پر لے آؤ۔ رفیق ہے۔ ہم دم ہے۔ دوست ہے میرا۔

ایاز: (باہر جاتے ہوئے) ابھی لایا حضور۔

غالب: ابھی لایا کا بچہ۔ نطفہ ناتحقیق۔ مردار۔ کمینہ۔ کیا کہوں۔ کیا نہ کہوں۔

ایاز: (منشی جی سے آگے داخل ہوتے ہوئے) آئیے حضور۔ سرکار منتظر ہیں۔

غالب: (استقبالیہ انداز اختیار کرتے ہوئے۔ چہرے پر بشاشت اور انبساط) آؤ۔ آؤ بھئی۔ تم کو اجازت کی کیا حاجت؟۔ یہ گھر تمہارا۔ تم ہمارے۔ ہم تمہارے۔

حقیر: یہ تو درست ہے۔ مگر میں بلا اجازت کیسے آجاتا!۔

غالب: مجھ کو تم سے بڑا تعجب ہے کہ اس بیت میں تم کو تامل رہا۔

حقیر: حضرت نہ تعجب کیجئے!۔ نہ حیرت!!۔ میں سفر پر ہوں۔ مجھے کیا معلوم اندرون خانہ کون کون بیٹھا ہے؟۔

غالب: ارے بھائی کون ہوگا۔ دوست، عزیز، اقارب، بھائی، بھانجے۔ کچھ آسمانی وبا اور کچھ آفات ارضی میں اور کچھ حکومت واقتدار کی جگہ میں

دور گیا، علام آباد کے ہو رہے۔۔۔۔ اچھا سناؤ۔ تمہارا حال کیا ہے؟۔

حقیر: خدا کا شکر ہے۔ احسان و کرم ہے۔

غالب: ارے ہاں، میری پیاری بھتیجی زکیہ بیگم کیسی ہے؟۔

حقیر: عنایت ہے۔ بخیر ہے۔ زندہ ہے۔

غالب: حق تعالے اس کو جیتا رکھے اور مجھ کو اس کی صورت دکھلا دے۔ ورنہ اب آگے بڑھ کر جب وہ بی بی، صاحبزادی بن جائے گی تو ہمارے سامنے کاہے کو آئے گی؟۔

حقیر: ایسا کیوں؟ آپ تو اس کے چچا جیسے اب ہیں، ویسے اس وقت رہیں گے!۔

غالب: نہیں بھائی۔ اس وقت وہ ہم سے چھپے گی۔ کس واسطے کہ میں سچ مچ تم کا چچا تو ہوں نہیں۔ زبردستی اپنی طرف سے چچا بن گیا ہوں۔

حقیر: ایسا نہ کہئے۔ اس زمانے میں آپ سا خلوص کس سے ملے گا؟۔ یہ یگانگت رواداری۔۔۔۔۔۔

ایاز: حضور بیگم صاحبہ نے سلام کہا ہے اور بچی کی خیریت دریافت کی ہے۔

حقیر: میرا سلام بھی پہنچاؤ۔ بچی بخیر ہے اور سلام کہلایا ہے۔

غالب: (مسکراتے ہوئے) ہاں۔ منہ دیکھے کی محبت اسی کو کہتے ہیں۔

حقیر: (جواباً مسکراتے ہوئے) خیر بیمار کا حال تو اچھے رہے گا نا۔

غالب: ارے میاں حقیر، تم اس فقیر سے واقف نہیں۔ اس کا دل آل کے لئے اور اس کا قلب لخت جگر کے لئے بریان و سوزاں رہتا ہے۔ خدا نے اس نعمت سے محروم نہیں رکھا مگر معدوم کر دیا۔ بس تم ہی جیسے محبوں کی اولاد کو اپنی اولاد جانتا ہوں۔

حقیر: ہمارے لئے سعادت کی بات ہے۔

غالب: اچھا، سناؤ۔ میرزا تفتہ کا کیا حال ہے؟۔ ان کو خط بھیجا تھا۔ کوئی نئی بات نہ تھی جو دوبارہ لکھتا۔ مگر انھوں نے رسید بھی نہ دی۔

حقیر: بہتر ہے۔ مرزا سے ملتے ہی شکایت کروں گا اور رسید خط روانہ کرنے کی فرمائش۔

غالب: نہیں بھائی۔ تم جانتے ہو کہ میں کس عقیدہ کا قائل ہوں۔ میرا ایمان یہ ہے۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

حقیر: نہ رنج کیجئے نہ ملال۔ ہم سب آپ کے حاشیہ نشیں ہیں۔

غالب: کیا کہا؟۔ حاشیہ نشیں؟۔ ارے کیا یاد دلادیا۔ تم نے سنا تو ہوگا کہ مومن خاں مرگئے۔

حقیر: ارے۔ یہ کب؟۔ بڑا سانحہ ہوا!۔

غالب: ان کو مرے آج دسواں دن ہے۔ دیکھو بھائی۔ ہمارے بچے مرے جاتے ہیں۔ ہمارے ہم عمر مرے جاتے ہیں۔ قافلہ چلا جاتا ہے اور ہم پا در رکاب بیٹھے ہیں۔ مومن خاں میرا ہم عصر تھا اور یار بھی۔ بیالیس بلکہ تینتالیس برس ہوئے۔ یعنی چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی میری اور اس مرحوم کی عمر تھی کہ مجھ میں اس میں ربط پیدا ہوا۔ اس عرصہ میں کبھی کسی طرح کا رنج و ملال درمیان نہیں آیا۔

حقیر: آپ کی طبع رنجش و ملال کے خلاف ہے۔

غالب: ملال کا نام نہ لو۔ ارے تم کیا جانو چالیس چالیس برس کا دشمن بھی نہیں پیدا ہوتا۔ دوست کہاں ہاتھ آتا ہے۔

حقیر: کیوں۔ مرزا تفتہ بھی تو آپ کے دوستوں میں ہیں؟۔ (ماحول بدلتے ہوئے)

غالب : اس گرد دوست نہ کہو۔ یار وفادار کہو۔ ہاں یہ بتاؤ کہ اکبر آباد گئے یا کہاں ہیں ؟۔

حقیر : خدا جانے ان دنوں کہاں ہیں۔ سکندرہ ۔ اکبر آباد یا ہاتھرس ؟ ۔

غالب : ارے ہاں، مجھے حکیم الٰہی بخش کا حال بھی بتاؤ، وہ، دوست وشاگرد اس کے ہیں جس کا میں بغیر دیکھے عاشق ہوں۔

حقیر : وہ کون خوش نصیب ہے حضرت ؟ ۔

غالب : ہاں ہاں ایسا نہ کہو۔ خوش نصیب تو میں ہوں۔ میرا مدعا حضرت جناب صاحب عالم صاحب" مارہروی سلمہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ حکیم صاحب یہاں کئی ماہ رہے اور حکیم امام الدین خاں سے "مفرح القلوب" پڑھی ۔ بہت خوب آدمی ہیں۔ اور مہذب۔ حسن طبع بھی رکھتے ہیں۔

حقیر : حضرت صاحب عالم صاحب کے کیا کہنے۔ ان کی علمیت ان کی قابلیت اور ان کے تبحر علمی و وجدان کا تو ایک زمانہ معترف ہے۔ اس دیار و اطراف میں ان کا مثل ممکن نہیں۔

غالب : ہاں میاں ٹھیک کہتے ہو۔ میں انہیں پیرو مرشد مانتا ہوں۔ وہ آل علی ہیں۔ اور میں محب آل علی ۔ وہ سید ہیں میں ان کا غلام ۔ وہ مرشد ہیں میں مرید۔

حقیر : میں بھی پُر اعتقاد ہوں اور اس باب میں آپ کا مقلد۔

غالب : دیکھو میاں مقلد ہونا اور بات ہے۔ معتقد ہونا اور۔ عاشق ہونا اور۔ تم کیا ہو۔ اس سے مجھے مطلب نہیں۔ میں پیرو مرشد عقیدتاً اور ولی نعمت ارادتاً جانتا ہوں۔

حقیر : مناسب ! حکیم صاحب کے احوال سے مطلع کروں گا۔

غالب: اور مرزا تفتہ کے متعلق؟۔

حقیر: وہ تو اجمیر کا قصد رکھتے ہیں۔ خدا جانے سفر پر چلے گئے یا ابھی نہیں۔ مستقر پر پہنچوں تو علم ہو۔ سب باتوں سے آگاہی ہو۔

غالب: ہاں بھائی جانا تو مرزا کو یاد کر کے میرا سلام پہنچانا۔ ذکیہ بیگم کو دعا کہنا اور کہنا پروردگارِ عالم تم کو جیتا رکھے اور عفت و عصمت اور عزت و حرمت اور مال و دولت عطا کرے۔

حقیر: وہ اور ہم سب آپ کی دعاؤں کے بھوکے ہیں۔ مفلسی میں یہ نعمت ہے۔

ایاز: (کمرے میں داخل ہوتے ہوئے) حضور بیگم صاحبہ نے یہ تحفہ دیا ہے کہ ذکیہ بیگم بی بی کو بھیج دیجئے گا۔

غالب: (دیکھتے ہوئے) خوب۔ بہت خوب۔ بیگم نے اپنے رشتہ داروں اور میرے قرابت داروں میں جو فرق قائم کیا۔ وہ برسوں بعد اب بھی قائم ہے۔ ان کی اسی ادا سے نفرت ہے۔

حقیر: کیا بات خلافِ مزاج ہو گئی ہے؟۔

غالب: (دکھاتے ہوئے) یہ دیکھو۔ اگلے دنوں کا پارینہ ملبوس ہے۔ ٹکڑا ہے وہ بھی نظروں سے اترا ہوا۔ اور تم جانتے ہو جس کو نظر نہ دیکھے اسے دنیا کیا دیکھے گی؟ مثل ہے۔ کھائیے اپنی پسند کا۔ پہنئے دوسروں کی پسند کا۔

حقیر: ایسا نہ کہیئے۔ ماں کا تو ہاں بہت ہوتا ہے۔ اس کے لیے تبرک ہو گا۔

غالب: تسلی کی باتیں رہنے دو۔ تم بھی ذکیہ کو دعا کہنا اور کہنا کہ جب تم ہمارے برابر کی ہو جاؤ گی۔ کیونکہ کبھی ہم بھی تو اس عمر میں سورۃ مبارکہ اَلَمْ نَشْرَحْ پڑھتے ہوں گے۔ اور اب تم عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ کے سیپارے سے آگے بڑھ چکی ہو گی۔ تو میں آن کر تمہارے سبق سنوں گا۔

حقیر: ضرور۔ ضرور۔ اچھا تو اب اجازت ہے؟۔

غالب: ابھی سے جانا جانا شروع کر دیا۔؟

حقیر: خیال ہے شام شفق سے قبل کچھ راستہ طے کر لوں۔

غالب: اچھا جاؤ خدا حافظ۔ منشی عبد اللطیف کو میری دعا کہنا اور یہ کہ میں ان کی نثر کا مشتاق ہوں۔

حقیر: بہت بہتر پیغام پہنچا دوں گا۔

غالب: لیکن سنو تو۔ تم نے گزشتہ خط میں اطلاع دی تھی کہ ذکیہ بیگم عمّ یتسٓاءلون کا سیپارہ پڑھ چکی۔ سوال یہ ہے کہ وہ یہ پارہ پڑھ چکی یا حفظ کر چکی؟ اللّٰہ اکبر اگر حفظ کیا ہے تو بڑا کام کیا ہے، اور بہت بڑا کام کرے، اگر تیسوں سیپارے حفظ کرے۔ بارے یہ تو کہو کہ تم نے اس کو پڑھتے سُنا تو ہو گا۔ حرف شناس ہو گئی ہے۔ مفردات نکال کر آپ ان کو ہو ند دے لیتی ہے یا یوں ہی طوطے کی طرح حق اللّٰہ۔ پاک ذات اللّٰہ پڑھتی ہے؟

حقیر: نہیں قبلہ حفظ کر رہی ہے۔ ذہن رسا پایا ہے۔ آپ کی عنایات و کرامات پر فخر و مباہات ہے۔

غالب: خوب۔ خوب۔ تو بھائی اگر وہ واقعی حفظ قرآن کر رہی ہے تو اب میں اسے "حافظ جی" پکارا کروں گا۔

حقیر: خدا آپ کی زبان مبارک کرے (آواز دیتے ہوئے) ارے بھائی ایاز۔

ایاز: (سامنے آتے ہوئے) جی جناب۔

غالب: یہ دو ترکیبیں اور دو لفظ ایک ساتھ استعمال کرنے کے کیا معنی؟

حقیر: (ایاز کو خاموش پا کر) بیگم صاحبہ کو سلام پیش کرد۔ اور اجازت طلب کرد۔

ایاز : (جاتے ہوئے۔ پھر واپس آکر) بیگم صاحبہ نے بیگم صاحب کو سلام اور بی بی کو دعا کہی ہے۔

حقیر : بہت اچھا۔ خدا حافظ (غالب کی جانب دیکھتے ہوئے) اجازت ہے؟

غالب : جیسے کہو۔

گردش ساغر صد جلوۂ رنگین تجھ سے
آئینہ داری یک دیدۂ حیراں مجھ سے

اچھا خیر سے جاؤ۔ سدھارو۔ تمہاری بیگم اور شیخ اکرام الدین۔ شیخ نصیر الدین اور بی حافظ بیگم جن کا ذکر بار بار اس گفتار میں آیا ہے سب کو دعا پہنچانا۔ اور سب بخیر و خوبی و سلامت رہیں۔

حقیر : اور نہیں ؟

غالب : (الوداعی نظر ڈالتے ہوئے) تم میری نگاہوں میں خیال و گفتار میں خدا کی امان میں اور میرا شعر یاد رکھنا۔

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

(منشی تبا بخش حقیر۔ زنشی سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور رخصت کے لیے دو گام چلتے ہیں۔ پردہ آہستہ آہستہ گرنا شروع ہوتا ہے۔ اور جب وہ دروازہ تک آتے ہیں تو پردہ قطعی طور پر گر جاتا ہے۔

سید غلام حسنین، قدرؔ بلگرامی

سید غلام حسنین، نام، قدرؔ، تخلص۔ سید خلف علی بلگرامی کے یہاں ۱۲۴۹ھ [۳۳-۱۸۳۴ء] میں پیدا ہوئے۔ وطن بلگرام ضلع ہردوئی تھا۔ "غلام حسنین" تاریخی نام بھی ہے۔ ۱۸۸۴ء میں عالم جاودانی کا سفر کیا۔ غالبؔ، بحرؔ، اور برقؔ کے شاگردوں میں تھے۔ صفیرؔ بلگرامی سے قرابت داری کے سوا علمی و ادبی مؤانست بھی بدرجۂ اتم تھی۔

قدرؔ پہلے محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد حضرت غالبؔ کی سفارش اور خود اپنی صلاحیتوں کے سبب نول کشور پریس میں صحت مسودات کی خدمت پر مامور ہوئے۔ آخر میں کیننگ کالج لکھنؤ ہی میں فارسی کے پروفیسر (معلّم) مقرر ہوگئے۔ ملازمت و روزگار کی مصروفیتوں کے باوجود علمی و عروضی تجربوں سے تعلق رکھا۔ اپنی مشکلات کے ہر ہر لمحہ پر غالبؔ سے استفسار کیا۔ جس کے نتیجہ میں "قواعد العروض" جیسی نادر و نایاب اور ضخیم کتاب کے مصنف

کہلائے۔ کلیات قدرؔ بعد وفات شایع ہوئی، علی بند۔ شرح قصائد عرفی۔ نظم الارکان، مصطلحات اُردو اور کلید وغیرہ کے خالق ہوئے۔

قدرؔ بلگرامی نے حضرت غالبؔ کو جو عقیدت اور الفت و محبت تھی۔ وہ ان کی تحریروں سے ظاہر ہے، کہیں بندہ پرور، کہیں حضرت، کہیں سید، اور کہیں سعادت و اقبال نشان کے خطابات سے یاد کرتے اور نوازتے ہیں۔ خالص علمی اور دقیق مسائل پر گفتگو نتیجہ ہے۔

غالبؔ سے دیرینہ تعلق ہی کی وجہ سے ایک بار ان سے ملنے دہلی کا سفر کیا اور ان کے جملہ احباب سے شرف نیاز حاصل کر کے مرزا کے متعلق مفید معلومات حاصل کیں خود غالبؔ نے بھی قدرؔ کی منزلت کا اعتراف صدقدلی سے کیا ہے اور ان کی علمی بصیرت کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ افسوس ہے کہ قدرؔ کے نام غالبؔ کے زیادہ خطوط نہیں ملتے مگر جو کچھ بھی موجود ہے سرمایۂ ادب ہے اور ان ہی سے اس سلسلہ کو مزین کیا جاتا ہے۔

قدرؔ و غالبؔ

افرادِ ڈرامہ:۔

غالب: میرِ مجلس۔
قدر بلگرامی: شاگردِ غالب
ایاز: ملازم مرزا غالب
مقام: بلّی ماران۔ دہلی

ابتدا:۔

"مرزا غالب چارپائی پر لیٹے ہوئے، برہان قاطع کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ایاز ملازم کمرے میں داخل ہوتا ہے، مرزا مطالعہ میں محو ہیں، انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ قدموں کی نزدیکی چاپ محسوس کرکے وہ متوجہ ہوتے ہیں۔ بولتے کچھ نہیں۔ صرف نظر سے کلام کرتے ہیں۔"

ایاز: حضور منشی قدر بلگرامی صاحب آئے ہیں۔ حاضری چاہتے ہیں۔

غالب: کیا کہا؟ منشی قدر آئے ہیں؟ نورِ چشم قدر آئے ہیں؟ ارے بھائی بلاؤ۔ جاؤ

ایاز: جی ۔۔ اچھا۔

غالب: اچھا نہیں۔ جلد جاؤ اور میر قدر بلگرامی کو سر آنکھوں پر بٹھا کر لاؤ۔ تم کیا جانو سیدوں کا آنا تو کمالِ محبت ان کی خدمت برکت کی علامت، مگر تم

اب تک کھڑے کیوں ہو؟

ایاز: حضور یہ بادہ و ساغر تو ہٹا دیا جائے؟ مہمان ہیں۔

غالب: بادہ و ساغر؟ ارے ملعون۔ بادہ کہاں ہے؟ ساغر الٹا ہی تو رہ گیا ہے۔ اسے لے جاؤ! نہ لے جاؤ۔ میری طبع پر کیا اثر پڑے گا۔

ایاز: منشی صاحب بہت جامہ زیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کم عمر بھی ہیں۔ یہی کوئی ۲۵، ۲۶ برس کے لگتے ہیں۔ لباس بھی عمدہ پہنے ہیں کاکل مرصع ہے (برتن یکجا کرتے ہوئے) عالم بھی جان پڑتے ہیں۔

غالب: تو کیا تم انھیں کوئی بھٹیارہ قرار دینا چاہتے ہو؟ بکواس بند۔ منشی قدر کو لیے جاؤ۔ فوراً لاؤ۔

ایاز: (جاتے ہوئے برتن ہاتھ میں) ابھی لایا حضور۔ (وقفہ)

ایاز: (کمرے میں داخل ہوتے ہوئے، دروازے پر) آئیے جناب منشی جی۔ مرزا صاحب منتظر ہیں!۔

قدر بلگرامی: (داخل ہوتے ہوئے) ایک دور افتادہ اور خاک پاک بلگرام کا ساکن ....

غالب: (تجاہل سے) کون ہو بھائی؟ سامنے آؤ۔ قریب آؤ۔

قدر: (قریب پہنچ کر) آپ کا شاگرد خاص قدرؔ بے مقدار تسلیمات عرض کرتا ہے۔

غالب: (خوش ہو کر) ارے بھائی سید آؤ۔ سینے سے لگو۔ آؤ۔ بیٹھو۔ یہاں میرے پاس۔ کب آئے؟ کیسے آئے؟

قدر: (مرزا کے قریب بیٹھ کر) بلگرام سے لکھنؤ اور وہاں سے کل شام غروب شفق کے بعد دلی پہنچا۔ سرائے میں شب باش ہوا۔ تو صبح سے قبل اٹھ گیا۔

اور اب آپ کی زیارت و خدمت میں حاضر ہوں۔

غالب: لیکن سرائے میں کیوں ٹھہرے، خیر آپ کے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ آپ نے مجھ کو یاد کیا۔ دوسرے آپ کی طرزِ عبارت مجھ کو پسند تھی۔ تیسرے یہ کہ آپ علامہ عبد الجلیل (بلگرامی) اور آزاد مغفور (علامہ سید غلام علی بلگرامی) کی یادگار ہیں۔ اور میں ان کے حسنِ کلام کا معتقد ہوں۔

قدر بلگرامی: یہ سب آپ کی ذرہ پروری ہے۔

غالب: نہیں۔ نہیں۔ آپ سید زادہ ہیں۔ آلِ ہاشمی و فاطمی۔ آلِ علی۔ آرائشِ گفتار کلام سے مرصع۔ آپ کا دیکھنا عبادت اور آپ سے کلام کرنا ریاضت کے مصداق ہے۔

قدر: آپ بھی تو اسد اللہ ہیں!

غالب: ہاں بھائی، یہ سچ کہا، نام میرا ضرور اس نامِ عالی کی نقل میں رکھا گیا ہے، برکت کی خاطر اور کچھ نہیں۔

قدر: اسی برکت ہی کی خاطر تو میری خواہش تھی کہ آپ میرا کلام نثر و نظم دیکھ لیتے حک و اصلاح ہو جاتی۔

غالب: خواہش آپ کی کیا ممکن ہے مقبول نہ ہو؟ جب تک مزاج میں آئے نظم و نثر بھیجئے۔ میں دیکھ کر بھیج دوں گا۔ اور آرائشِ گفتہ رنگینی حک و اصلاح میں دریغ نہ ہو گا۔

قدر: عنایت۔ کرم — مگر.....

غالب: لیکن میاں بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے

کی ورزش میں گزرے۔ اب جسم و جان میں تاب و توان نہیں۔ نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف، اردو سو اس میں عبارات آرائی متروک جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے۔ پانوں رکاب میں اور ہاتھ باگ پر۔ کیا کہوں اور کیا کہوں۔؟ یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں۔

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

یہ مضمون آپ کو ۲۳، فروری ۱۸۵۷ء کو غالباً لکھا تھا۔ وہ اب بھی قائم ہے۔

قدر: مگر ایسی افسردگی بھی کیا؟۔

غالب: صاحب! آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں؟ اور کی فیض رسانی اور قدردانی کو کیا روئیں؟ اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ نے باآنکہ بیگانہ محض ہوں، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت نا انصاف ہوں گے وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔ اللہ ہی اللہ ہے۔

قدر: تو اصلاح شعر کے لیے کیا فیصلہ ہوا ہے؟

غالب: فیصلہ کیسا؟ پہلے مطلع کر چکا ہوں چاہا کہ حکم بجا لاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں۔

قدر: مگر؟

غالب: مگر میں کیا کروں؟ آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے؟ اگر مثلاً آپ خود نظر ثانی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پائیں۔ جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں جب اس عبارت کو اور

کاغذ پر نقل کروں، تب جا کر حک و اصلاح کا طور بنے۔ میرا کام اصلاح عبارت ہے نہ کتابت۔

قدر: مگر زردشت آتش کدہ کے متعلق بھی آپ نے کچھ نہیں لکھا۔

غالب: اے بھائی۔ زردشت کو آتش کدہ سے وہ نسبت نہیں جو ساقی کو میخانے سے ہے، زردشت باعتقاد مجوس پیغمبر تھا۔ آتش کدہ کے پجاری کو موبد اور ہیربد کہتے ہیں۔

قدر: اور آب حرام اشتیاق سے مراد؟

غالب: آب حرام، شراب کو کہیں مناسب پر کہیں تو کہیں۔ ورنہ بادہ و مُل رحیق و مے اور قرقف و راوق کی طرح اسم نہیں۔

قدر: تب؟

غالب: ناچار شراب شوق یا بادۂ شوق لکھنا چاہیے۔ اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔

قدر: ماہم دو سہ جامگی علی التواتر زدہ بودم۔ یا چندی گلستان بر لب نہان است دیشماری اور بر تدر دانان کے متعلق کیا رائے ہے؟

غالب: (ذرا مسکرا کر) "ما زدہ بودم"، تمہارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے؟ "من زدہ بودم" یا "ما زدہ بودیم" اس سے علاوہ دو سہ "جامگی" بکاف فارسی یعنی چہ؟ "جام" معلوم، کاف تصغیر کا "جامک" چاہیے" جامگ! کیا؟ مگر یہ پیروی تقلید کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بنانا چاہتا ہے۔ ظہوری، جلال، ظہیر، طاہر، وحید کسی کے ہاں "جام" کو "جامک" نہیں لکھا۔ دو سہ جامگی کی جگہ "دو سہ ساغر" یا "دو سہ قدح" لکھو۔

قدر: اور "تیماری گلستان... "؟

غالب: میں اس فقرے کو نہیں سمجھا، یعنی "بر باغباں" کیا ہے؟ "تیماری" کیا ہے؟ "تیمار" بہ معنی "بیمار داری و غم خواری" ہے۔ جب یہ لفظ خود افادہ معنی مصدری کرتا ہے تو یائے مصدر کیسی؟

قدر: اور "تیرہ شبی ہا بسر آمد"۔ "تیرہ شبیہا بسر آمد" ـ ؟

غالب: (قطع کلام کرتے ہوئے) "تیرہ شبیہا بسر آمد" ـ یعنی چہ؟

قدر: "لیلائے دیدم کہ با ہزار طرۂ طرار" کی ترکیب کیسی ہے؟

غالب: "طرہ" زلف کو کہتے ہیں۔ وہ دو ہوتی ہیں۔ نہ کہ ہزار دو ہزار۔

قدر: لیکن "جامگی خوار" کی ترکیب نظامی نے استعمال کی ہے۔

غالب: کیا کہتے ہو "جامگی خوار" جو کہیں "جام خوار" یعنی "شراب خوار" سمجھا ہے یہ غلط ہے۔ "جامگی خوار" اس نوکر کو کہتے ہیں جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو۔ روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔ نظامی نوکر حضرت خضر کے۔ کتنا روزینہ سخن پاتے ہیں؟ جو حضرت خضر فرماتے ہیں ؎

نوائے جامگی خوار تدبیر من

ز جام سخن چاشنی گیر من

قدر: خوب اور "در توبہ باز است و باب رحمت فراز" سے مقصود کیا ہے؟

غالب: معنی اس کے یہ کہ "توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند"۔!

قدر: وہ کیسے؟

غالب: "فراز" اضداد میں سے نہیں ہے "باز" کھلا۔ "فراز" بند۔

قدر: اور اگر "قدر زعفران زار رابو کے گل کرد" کہا جائے؟

غالب: اس کا لطف کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ "قندِ زعفران زار" کیا؟ اور پھر اس کو کس نے "بوئے گل" کر دیا؟

قدر: اور "سکرر"؟

غالب: کدام زبان است۔ عربی یا فارسی؟

قدر: (ہنستے ہوئے) اور "حسب لیاقت خودم" یا "بندۂ مجبورم" کے متعلق کیا حکم ہے؟

غالب: "حسب لیاقت خود" کافی است۔ "خودم" چہ عمل دارد؟ مگر یہاں شیوۂ قتیل۔ "بندہ مجبورم" ہماں سکۂ قتیل۔

قدر: "م" اضافی میں یا ایسی تراکیب میں کیا نقصان ہے؟

غالب: صاحب بندہ۔ تحریر میں اساتذہ کی تحریر کا تتبع کرو۔ نہ یہ کہ مغل کے لہجے کا۔ لہجے کا تتبع بھانڈوں کا کام ہے۔ نہ دبیروں کا اور شاعروں کا۔ زیادہ۔ زیادہ۔

قدر: اور کچھ؟

غالب: خوب یاد آیا۔ جناب نوروز علی صاحب کیسے ہیں؟ ان کے بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا، ہر مہینے میں آٹھ خط تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا۔ بھیجے۔ رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے ہر روز صبح کو قلعہ جانا۔ دوپہر کو آنا۔ بعد کھانا کھانے کے حضرت بہادر شاہ ظفر کے مسودوں کا درست کرنا احباب کو خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے۔ والسلام۔ ملنا تو یاد کر کے شُنا دینا۔

قدر: آپ کا شعر ہے۔

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

یا حضرت ناسخ کا شعر ہے۔

رہن رکھوا کر تیرا عمامہ دلوا دوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہون احسان تو سہی

اس سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے؟

غالب: سنو! اسماء کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے ہیں، اور فارسی میں یہ، اور ہندی میں یہ۔ طرز گفتار ہندی کی فارسی میں یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہو سکتی۔

قدر: کیوں مثلاً؟

غالب: مثلاً "چوری کا گڑ میٹھا" اس کی فارسی نہ پوچھیے گا۔ مگر نادان "سہی" اور "تو سہی" کی فارسی کیوں کرتے ہیں؟ یہ روزمرہ اُردو ہے،

"گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی"

اس مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے: "وصل اگر نیست حسرت نیز عالمے دارد" یا

"زاہدا تجھ کو کروں مرہون احسان تو سہی"

ایک نوع کی تنبیہ، ایک قسم کا دعوٰی ہے "نامرد باشم اگر فلاں کار نکنم" "تا فلاں کار نکنم نیاسایم"۔ اہل ہند کی فارسی اسی طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انہوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اُردو کے خاص روزمرے کی فارسی بنایا کیے۔ ہندی میں "کچھ نہیں" کی جگہ "خاک نہیں" بولتے ہیں فارسی میں "ہیچ نیست" کی جگہ "خاک نیست"

کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاروں خانے چت گرا ہے۔

"کشتہ بہ کشتہ پتاں بود دگر خاک نبود"

قدر: حیرت ہے، خاک نبود ؟

غالب: یعنی "ہیچ نبود"۔ لاحول ولا قوۃ ؟ - لطیفہ سنو۔ ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا۔ چوں کہ میں بلّی ماران کے محلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے پتہ لکھا کہ "در محلہ گربہ کشاں"۔ واہ فارسی۔

قدر: اردو میں ایک لفظ "آنڈو" استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے اس شعر میں۔

کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو

ڈال دوں سونے کا آنڈو پانو میں جلّاد کے

اس میں آنڈو بہ دال ہندی ہے یا بہ دال عربی ؟

غالب: بھائی۔ واللہ۔ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا۔ میں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے کہ فلاں سردار ایسا بہادر ثابت قدم تھا کہ معرکہ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں "آنڈو" ڈلوا دیئے۔ ظاہرا کوئی چیز ہو گی کہ ہاتھی کو مانع رفتار ہو۔

قدر: پھر تو اس لفظ کو متروک خیال کرنا چاہیے ؟

غالب: ہاں !! اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند خاص ہے۔ استعمال اس لفظ کا محل انعام نہ ہونا چاہیئے۔

قدر: "آلبست" کو "آلبستن" کے بجائے بعض لوگ خیال کرتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے ؟

غالب: "آلبست" کوئی لفظ نہیں ہے۔ "آلبستن" اصل لفظ اور "آلبستنی" مزید علیہ۔ دونوں صحیح بلکہ "آلبستنی" زیادہ فصیح۔

قدر: معترض فیضی کا قائل نہیں۔

غالب: اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا۔ تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں؟ فیضی کی سند مقبول اور مسموع ہوگی۔ کہ "ارمغان" و "ارمغانی"، "آبستن" و "آبستنی"۔ اے یہ تو فارسی کا لغت ہے۔ فارسی گویوں نے "حضور" کو "حضوری" اور "فضول" کو "فضولی" اور "نقصان" کو "نقصانی" لکھا ہے۔

قدر: اور "رب کبریا" کے باب میں کیا حکم ہے؟

غالب: آج تک نہیں سنا کہ "رب کبریا" کسی نے لکھا ہو۔؟ ہاں "کبریائے الٰہی"۔ یعنی خدا کی بزرگی، اس نظر بزرب کبر لکھیں گے نہ "رب کبریا" کبریا صفت واقعی ہے۔ لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے۔

قدر: جیسے؟

غالب: "زید عادل" بجائے "زید عدل" "جناب کبریا۔ بجائے "جناب الٰہی" جائز۔ ایک نکتہ دقیق ہے یعنی مذہب حقۂ امامیہ میں مجموعۂ صفات عین ذات ہیں۔ اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبیؐ اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے۔

قدر: "حال" کی جمع کیا احوال ہو سکتی ہے؟

غالب: حال کی جگہ "حالات" یا "احوال" لکھنا قبیح نہیں ہے خصوصاً احوال کہ یہ بمعنی واحد مستعمل ہے اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ "احوال" بمعنی جمع مستعمل نہیں ہوتا۔ "جیسے کہ "حور" بمعنی "حوراء" کے ہے۔ اہل فارس اس کو صیغۂ واحد قرار دے کر الف نون

کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں۔

قدر: وہ کس طرح ؟

غالب: سعدی کہتا ہے۔

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ "حور" کو "حوری" کہہ کر اس کی جمع "حوریاں" لاتے ہیں۔ حافظ کہتے ہیں:۔

حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

میں نے بھی ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے۔

قدر: وہ کون سا شعر ہے؟

غالب: مجالِ غالب تاب گفتاری گماں داری ہنوز
سخت بے دردی کرے پرسی ز ما احوال ما

قدر: برمحل ہے۔

غالب: سنو۔ آخر مجھکو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے۔ وہ "آبستنی" کیوں لکھتا ؟ اور میں "احوال" کیوں لکھتا؟ صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرعہ یہ ہے،

ہر لحہ دارم نیتنے، چوں قرعۂ رمالہا :

اس غزل میں اس نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے۔

قدر: آپ کا استعمال میرے لیے صائبؔ و حافظؔ سے برتر ہے۔

غالب: تم۔ ملک مغرب۔ بلدۂ دہلی۔ کثرت "رہ دگراں" کیا لکھا کرتے ہو؟

قدر: پھر کیا لکھا کروں ؟

غالب: شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ جملہ غلط۔ بلکہ زائد۔ ہندوستان میں دلی کو سب جانتے ہیں۔ اور دلی میں مجھ کو سب پہچانتے ہیں۔

قدر: مناسب ہے۔ مگر یہ لفظ "تنبیں" کس زبان کا لفظ ہے؟

غالب: "تنبیں" کا لفظ متروک اور مردود۔ قبیح۔ غیر فصیح۔ یہ پنجاب کی بولی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں، ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی۔ وہ "تنبیں" بولتی تھی۔ تو بی بیاں اور لونڈیاں سب اس پر ہنستی تھیں۔

قدر: خروشش رعد غرّاں می شود پا در رکاب از بیم

عناں بر سینہ چوں پیچد کرنگ برق جولانش

کس کا شعر ہے؟

غالب: یہ شعر ناطق کا ہے۔ اور ناطق قدم کا بلوچ۔ سندھ کا رہنے والا۔ اس کا منطق کیا اور اس کی زبان کیا؟

پا در رکاب ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے لیے آمادہ و مستعد ہونے سے۔ خواہ منشائے عزیمت خوف ہو۔ خواہ کوئی اور سبب "عناں بر سینہ پیچیدن" مہمل و محض مہمل، نہ روزمرہ۔ نہ محاورہ نہ اصطلاح۔ نہ مغید معنی درنگ۔ نہ مفید معنی شتاب۔

قدر: "طیار" کا املا کیا ہے؟ درست کیا ہے؟

غالب: "طیار"، صیغہ مبالغہ کا ہے۔ لغت عربی۔ املا اس کی طائے حطی سے "طیر" ثلاثی مجرد۔ "طائر"، فاعل۔ "طیور"، جمع بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا۔ حقیقت بدل گئی۔ طوے "تے بن گئی۔ یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا، بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں

شکرہ، "طیار" شدہ است۔ وصید می گردد۔

قدر: توسوال یہ کہ ط کے بجائے ت کا استعمال جائز ہوگا؟

غالب: بہرحال تائے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدث اور در اصل اُردو اور بہ تائے قرشت اور بہ معنی آمادہ اشخاص و اشیاء پر عام تصور کرنا چاہیے۔

قدر: لیکن فارسی میں؟

غالب: عبارت فارسی میں استعمال اس کا کبھی جائز نہ ہوگا۔

قدر: لفظ نقاب، قلم اور دہی ـــ کون سے اسم ہیں؟

غالب: فقیر کے نزدیک "نقاب" اور "قلم" اور "دہی" ترجمہ "جغرات" ـــ یہ تینوں اسم مذکر ہیں۔

قدر: مذکر ـــ؟

غالب: ہاں، منکر سے مجھے بحث نہیں، مجیبؔ کا میں احسان مند نہیں۔ لغت فارسی اور روزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے سند کریں۔

قدر: اور تذکیر و تانیث کے قواعد کے باب میں کیا رائے ہے؟

غالب: ارے میاں، منطق فارسی میں تذکیر و تانیث کہاں؟

قدر: وہ کیسے؟

غالب: اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں۔ اور یہ ہم، صیغۂ متکلم مع الغیر ہے۔ یعنی ہم اور تم اور مجموعۂ شرفا اور شعرائے دہلی و لکھنؤ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے۔ زیادہ جھگڑا بے فائدہ۔

قدر: بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالبؔ نے
تمام جوہر تیغ زباں اُبھر آئے

اس میں غزل کی "زے" ساکن ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

غالب: یہ سکون جائز ہے۔ قدم، مفرد۔ قدموں جمع ہے۔

قدر: مگر...

غالب: اور سنو، ایک بار تم نے کچھ اور الفاظ کے متعلق تحقیق کی تھی، سو عرض ہے۔

"کھو رہا ہوں" متعدی ہے۔ پوربیے اس کو لازمی جانتے ہیں۔ لازمی "کھو گیا ہوں" ہم کہیں گے "جاگتے نہیں" اہل پورب کہیں گے "جگتے ہیں" جان و دل، دل و جگر۔ یہ صحیح۔

قدر: اور "جان و جگر"؟

غالب: ٹکسال باہر۔

قدر: "فریاد" مذکر یا مونث؟ آپ کا کیا خیال ہے؟

غالب: "فریاد" مونث ہے۔ "فریاد کر لینی" چاہیے "فریاد کر لینا" انگریزی بولی ہے۔

قدر: اور "فکر"؟

غالب: مونث ہے۔ معشوق کو ہم زاد بنانا ظرفا، کو اپنے اوپر ہنسانا ہے۔

قدر: خوب۔

غالب: میاں خوب کیا حقیقت کہو۔

قدر: مجھے کب شک ہے؟

غالب: شک کرو گے تو نقصان کس کا ہوگا؟

قدر: مجھ جیسوں کا۔

غالب: خیر۔ اور کچھ پوچھو

قدر: اچھا حضرت، ان دو شعروں میں "زقندان" سے کیا مراد ہے؟

اندیشۂ بلند ردِ لامکاں نورد
چوں خواست با ہجاہ ترا نردباں نہاد
دیدش ہماں بجا چو سپہر از فراز کوہ
بعد از ہزار پایہ کہ زقنداں نہاد

غالب: پہلے مصرع میں اندیشہ فاعل ہے، خواست کا، جو مصرع ثانی میں ہے۔ "نہاد" بہ معنی مصدری ہے۔ دوسرے شعر میں "دید" کا اور "نہاد" کا فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھو لیں گے۔ مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تھا۔ زقندان ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر، ہمارے قیاس میں آیا کہ زقندان پر سے بام جاہ ممدوح نظر آوے گا بہت قریب، ہم زقندان پر گئے۔ وہاں بھی قریب نہ پایا۔ زقندان پر ہزار پائی رکھی۔ اس پر چڑھ کر دیکھا تو بام ممدوح میں اور اس مقام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں۔ یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو سے گزر گیا۔

قدر: مقصد؟

غالب: مقصد یہ کہ .... (خاموش ہو جاتے ہیں)

قدر: "لگا دیتے ہو" اور "اٹھا دیتے ہو" کون سے صیغہ میں شمار ہوں گے؟

غالب: یہ خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے یعنی تم۔ معشوق مجازی کو "تم" اور "تو" دونوں طرح یاد کرتے ہیں۔ خدا کو یا "تو" کہتے ہیں یا صیغہ جمع غائب کا۔ نظر بہ قرینہ۔ افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے۔ تمہاری ایک غزل میں دو چار جگہ "دیتے ہو" اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا۔

قدر: مثلاً؟

غالب:
لا کے دنیا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو
ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو؟ سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی، کوئی لونڈا، اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا۔ اور علی ہذا القیاس دو ایک شعر اور بھی۔

قدر: تب؟

غالب: ناچار صیغۂ جمع رکھ دیا تاکہ خوباں اور بتاں کی طرف ضمیر راجع ہو۔ یا شخص واحد کی طرف آپ کے لفظ کے ساتھ، یا قضا و قدر کی طرف، اب خطاب معشوقانِ مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا۔

قدر: "بود" اور "باشد" کہ دونوں صیغے مضارع کے بہ معنی "ہست" آتے ہیں یا نہیں؟

غالب: البتہ آتے ہیں۔

قدر: نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا

کیا ہے؟

غالب: بے جا ہے جب تک علامت استمرار نہ ہو، معنی استمراری کیوں کر لیے جائیں۔

قدر: پارسی میں مصدر، مقتضب، اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے؟

غالب: خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آئی، فارسی میں کہاں سے ہوگی؟ مقتضب صفت بحر کی ہے۔ نہ صفت مصدر کی۔

قدر: کسی قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طرز کے مصدر سے نہیں بنتا ہے؟

غالب: جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں، اور اس میں فقط الف نون تحتانی بڑھائیں۔ مثلاً "گشتن" کو "گشتانیدن" نہ لکھیں گے "گردد" سے مصدر بنائیں گے اور اس کو "گرداندن" اور "گردانیدن" کہیں گے جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہوگا وہ متعدی نہ بنے گا۔ جیسے "برشتن" اور "خسفتن" وغیرہ۔

قدر: پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آیا ہے؟

غالب: اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنی "پناہ" کا لفظ مشترک ہے۔ اردو میں اور فارسی میں پناہ کا ترجمہ اردو میں پوچھنا نادانی ہے۔ ہاں پناہ کی ہندی آسرا ہے۔

قدر: اور بر نہ آنا۔ فصیح ہے۔ یا ٹکسال باہر؟

غالب: بر نہ آنا "فصیح" نہ بر آنا ٹکسال باہر۔ قافیہ ہائے اصلی

الفیہ سیکڑوں ہیں، ان کو چھوڑ کر "نسخہ" اور "نامہ" اور "افسانہ" — ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک نامناسب نہیں ہے۔

قدر: کیا ہرج ہے؟

غالب: نہیں مگر ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو۔

قدر: لکھیں کیسے؟ خط کا جواب تو ملتا نہیں۔ اصلاح ہوتی نہیں۔

غالب: حضرت، آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ۔ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو درست کرکے نہ پڑھ سکو گے۔

قدر: رنگ۔ سنگ میں نون کا تلفظ کیا ہوگا؟

غالب: "رنگ" بوزن "سنگ" ترجمہ "لون" اور لفظ فارسی الاصل ہے جب اس کو اردو میں منصرف یا بقول بعضے متصرف کریں گے تو نون کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا۔ "رنگنا" بوزن "چند جا" نہ نہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں:

ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی

یہ صحیح ہے اور فصیح ہے۔

"ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی"

قدر: یعنی بہ اعلان نون؟

غالب: بہ اعلان نون گنواری بولی، اور غیر صحیح اور قبیح ہے۔

قدر: اچھا: خرام مؤنث استعمال ہو سکتا ہے؟

غالب: خرام کو کون مؤنث بولے گا مگر وہ کہ دعوئ فصاحت سے ہاتھ

دھوئے گا؟ ــ "رفتار" مؤنث ہے اور "خرام" مذکر ہے۔ "رفتار" کی تانیث کو "خرام" کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے۔

قدر: اچھا حضرت یہ بتائیے "با" کو "بے" کہنا جائز ہے یا نہیں؟

غالب: حرف مسیدوری جس کو ثنائی بھی کہتے ہیں یا موحدہ سے زائے معجمہ تک الف کی تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔

قدر: مثلاً

غالب: مولوی آل نبی سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر جھگڑا ہوا مولوی امام بخش "با" کو "بے" کہنا جائز نہیں رکھتے تھے۔ آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت کر دیا مگر صرف از روئے تلفظ اور اس کی اجازت کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہیں اُردو میں طا کو طوے اور ظا کو ظوے کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں لسان عرب و عجم میں موحدہ سے زائے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تحتانی بھی "طا" "ظا" کو "طا" "ظا" ہی کہیں گے نہ طوے، ظوے، نہ طے۔ ظے۔ علیٰ ہذ القیاس حروف باقیہ۔

قدر: "ہوا بھی ہو" کے ساتھ "بے تابی ہو" کا قافیہ کیا جائز ہوگا؟

غالب: حضرت کیا فرماتے ہو؟ "ہوا بھی ہو" "قضا بھی ہو" اس ردیف کے ساتھ قافیہ معولی آ نہیں سکتا۔ "بیتابی ہو" "ہمتابی ہو" کیوں کر درست ہوگا؟ وہاں موحدہ کے مابعد ہائے ہوز ہے، یہاں موحدہ کے آگے

آگے نہیں۔ یا ر "چاپی" کہ بائے فارسی اور یائے حطّی ہے۔ "کاپی" اور "ژاپی" اور "پاپی" یہ قافیہ ہم دگر ہوسکتے ہیں "چاپی" لغت انگریزی ہے۔

قدر: تو اس کا شعر میں لانا جائز قرار پائے گا؟

غالب: اس زمانہ میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے بلکہ مزا دیتا ہے۔ تار۔ بجلی اور دخانی جہاز کے مضامین، میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں اوروں نے بھی باندھے ہیں۔ رُوبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں۔

قدر: اور "چابھی"؟

غالب: چابی بہ معنی کلید۔ شوق سے لکھو، نہ چابھی۔

قدر: مثنوی جو بھیجی تھی وہ نظر سے گزری؟ حک و اصلاح مکمل ہو گئی؟

غالب: صاحب! تم نے مثنوی خوب لکھی، کہیں املا، کہیں انشا میں، جو اغلاط تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی ہے۔

قدر: اور تاریخ مثنوی؟

غالب: فکر تاریخ مثنوی سے مدۃ العمر معاف رہوں۔

قدر: دیوان کشفی کی تاریخ طبع کی بابت کیا رائے ہے؟

غالب: حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہیں مگر دوسری تاریخ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس فن کے قاعدہ کے موافق مصرعۂ تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہئیں یعنی پانچو تیس ۱۲۳۵ ؁

قدر: وہ کون سی تاریخ ہے اور کون سا مصرع ہے؟

غالب: کلو رخ انداز ربار پادا شش سنگ است
مگر اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجائش کہاں کہ پانسو تنتیس نکل جائیں؟
اور ۱۲۷۸ بچ رہیں؟

قدر: مناسب ہے، مگر یہ اصلاح کب روانہ ہوئی؟

غالب: دن، تاریخ تو اس وقت یاد نہیں لیکن ایک خط میں تمہارے کچھ اور سوالات کا جواب لکھ کر بھیجا تھا۔

قدر: اچھا، وہ قصیدہ کی طرف اشارہ ہے۔

غالب: ر قطع کلام کرتے ہوئے) میں نے لکھا تھا، تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ نہ ہونا۔

قدر: اور غزل؟

غالب: غزلوں کو دیکھا۔ کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی۔ مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطابی یہاں شامل اسم نہیں ہیں۔ صرف اسم مبارک خطوط و عرائض پر لکھا جاتا ہے۔ رہا قصیدہ کا بھیجنا، زائد محض اور بے فائدہ۔ اگر میں وہاں رہتا اور تم بھی تکلیف رہروی اٹھاتے آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا۔

قدر: اور اگر آپ ہی پیش کر دیتے، تو کیا غیر مناسب ہوتا؟

غالب: یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گزرانوں اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں رکھتی۔ یہ تو سط میرے خلاف وضع ہے۔

قدر: مرزا عباس صاحب ڈپٹی کلکٹر کے نام آپ نے جو خط بھیجا تھا، اس کا کوئی جواب آیا؟

غالب: میں بعد آپ کے جانے کے دلی سے رام پور گیا۔ وہاں آپ کا دوسرا خط پایا۔ پہلا خط مجھے دلی ہی میں پہنچا تھا۔ مگر چوں کہ اس خط میں آپ نے مسکن کا پتہ نہیں لکھا تھا، میں بجواب تحریر میں قاصر رہا۔ اب جو خط رام پور میں پہنچی۔ اس میں پتہ مرقوم تھا۔ میں پاسخ نگار ہوا۔ آپ کے مسودات ایک بکس میں تھے، وہ بکس وہیں رہا اور ایک اطلاع آپ کو دیتا ہوں۔

قدر: وہ کیا؟

غالب: ایک خط میاں نوروز علی خاں کا تمہارے نام بہ نشان میرے مقام کے آیا تھا چوں کہ ان دنوں میں مجھ کو آپ کا مسکن معلوم نہ تھا۔ میں نے اس پر لکھ دیا کہ وہ بلگرام گئے، خدا جانے تمہارے پاس وہ خط پہنچی یا نہیں؟

قدر: پہنچ گیا۔ آپ نے مرزا عباس صاحب کو پھر کوئی خط لکھا؟

غالب: اور برخوردار مرزا عباس کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں۔ اگر وہ سعی دستمند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے۔ اس کے سوا تم کو لکھا تھا!.. (یاد کرتے ہوگے) ہاں یاد آیا۔ صاحب تم بہت دن سے بے کار ہو۔ ایک جگہ مساعدت روزگار کی صورت ہے تم بے تکلف میرا رقعہ مہری لے کر لکھنؤ چلے جاؤ۔ مطبع اور اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی منشی نول کشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ ان کو پڑھو دو اپنی نظم و نثر ان کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو۔ اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھیں گے

تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائے گا۔ معزز و مکرم رہو گے۔ زندگی کا لطف اٹھاؤ گے۔

قدر: منشی صاحب نے موقع دیا، بڑا کام ہوا۔

غالب: اچھا؟ تو اب دوسری بات یہ بتاؤ کیا کام سپرد ہوا؟ یہ بھی لکھا تھا کہ چند روز صبر کرو اگر وطن میں ہوتے تو اس بے کاری میں گھر کی خبر کیا لیتے؟ جس طرح جب گزرتی اب بھی گزر جائے گی بلکہ تمہارا خرچ کم ہو گیا وغیرہ

قدر: یہ خط بھی ملا تھا، اضافہ کی بابت بھی آپ نے لکھا تھا کہ.....

غالب: کیا؟

قدر: ابھی اضافہ کے واسطے نہ تم کہو، نہ میں لکھوں۔ دو چار مہینے کام کرو۔ اس اثنا میں اگر بلگرام میں چھاپہ خانہ جاری ہو گیا تو استعفا دے کر چلے جائیو۔ یہاں بعد چند روز کے اضافہ ہونا بھی تو حیز امکاں سے باہر نہیں۔

غالب: تم کو غالباً اس کے بعد جو رقعہ لکھا تھا اس میں کلیات فارسی کے متعلق بھی کچھ لکھا تھا؟

قدر: تحریر تھا کہ، منشی صاحب سے میرا سلام کہے اور یہ رقعہ ان کو پڑھا کر عرض کیجیے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے؟ ملتوی ہے تو کب تک کھلے گا؟ جاری ہے تو تصحیح کس کے طور پر ہے؟ قصیدہ اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں؟

غالب: ہاں بھئی! اگر دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو منشی بھیج دوں؟ یہی مدعا تھا نا؟

قدر: یہی مضمون تھا۔

غالب: یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے یا نہیں؟ "قاطع برہان" کے اجزا ر کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں؟ اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر وہ جو کہ اس جلدیں جو میں نے لی ہیں ان میں سے ایک جلد لے کر جناب فیض مآب خداوند نعمت آیہ رحمت قبلہ و کعبہ جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اس پایے پر پہنچایا ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ یہ مجال کہاں کہ داد کا طلب گار رہوں۔ صرف عز قبول کا امیدوار ہوں۔

قدر: یہ خط بیرنگ پہنچا گیا تھا اور آپ نے لکھا تھا۔

"مجھے سید صاحب! منشی صاحب سے چاروں سوالوں
کا جواب اور جو قبلہ و کعبہ زبانیں، اس تقریر میں تغیر
الفاظ بھی نہ ہو، جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو
ہو بہو لکھ بھیجو۔"

غالب: اور یہ کہ مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا۔

قدر: میں نے تعمیل ارشاد فوراً کی تھی۔

غالب: سید صاحب۔ آپ کا خط جس میں قبلہ و کعبہ کا مہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا، پہنچا تھا۔ میں تم سے بہت راضی ہوا تھا کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی۔ اب ایک تکلیف اور

اٹھانا جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہہ کر اُن کے حکم سے ایک اور نسخہ "قاطع برہان" کا مطبع سے لے کر اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس لے جانا اور میرا سلام کہہ کر کتاب دینا اور عرض کرنا کہ خونِ جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے۔ یقین ہے کہ اس کی داد تمہارے سوا اور سے نہ پاؤں گا۔

قدر: بس یا اور کچھ؟

غالب: ہاں صاحب، جناب منشی صاحب سے کہہ دینا کہ پارسل میں سے تین جلدیں میں نے پائیں۔ اب قیمت کا روپیہ بھیج کر ۷، ۸ اور منگا لوں گا۔

قدر: اور کلیات کی تاریخ؟

غالب: کلیات کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں؟ اہلِ مطبع کو خدا منشی صاحب کے سایۂ عطوفت میں سلامت رکھے کہہ لیں گے۔ چھاپا ۸، ۱۲۷۸ھ میں شروع ہوا، ۹، ۱۲۷۹ھ میں تمام ہوگا۔ مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھنا اور کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال لکھنا۔

قدر: اور حضرت اگر مفتی صاحب نہ ملیں؟

غالب: سید صاحب، آپ نے خوب یاد دلایا، مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دینا۔ اپنے پاس امانت رکھنا۔ جب مفتی صاحب ملیں تو ان کو پہنچا دیجئے گا۔ کچھ دن ہوئے ایک خط تم کو لکھا تھا۔

قدر: کس باب میں؟

غالب: تم کو لکھا تھا کہ "تمہارا قصد بلگرام جانے کا تھا۔ وہاں کے ہنجار میں کچھ سستی پائی جو فسخ عزیمت کیا؟ اور جو تم نے سپارشی

کے باب میں لکھا ہے، میں اس خواہش کو کیوں کر قبول کروں؟ وہ شخص میرا شاگرد نہیں مرید نہیں، صورت آشنا بھی تو نہیں۔ کیوں کر لکھوں؟

قدر: آخر کیوں؟

غالب: معہذا تمہارے واسطے میرا لکھنا مضر ہے۔ یعنی وہ صاحب سمجھیں گے کہ حضرت نے کچھ میری شکایت و حکایت لکھی ہوگی۔ جب تو غالب نے مجھ کو یہ لکھا ہے۔

قدر: اور جناب میرے چار خط کے جواب کی، رسید باقی ہے۔

غالب: صاحب، سوائے ایک خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا۔ کیسے چار خط تم نے بھیجے؟ کیوں باتیں بناتے ہو؟ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے۔ بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔

قدر: جناب والا، سنا تھا کہ مرزا عباس کا تبادلہ ہونے والا تھا، کیا یہ سچ ہے؟

غالب: برخوردار مرزا عباس کی بدلی کی خبر میں نے پہلے ہی سے سنی ہے۔ مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کہاں جائیں گے۔ ایک اطلاع یہ ہے کہ تمہارے ہمسائے میں آئیں گے۔ اب ان سے ملنا تو نکلنا۔ خدا ان کو مروت کی توفیق دے۔

قدر: اچھا۔ سوال یہ کہ مطلع میں اپنا نام شریک کر سکتے ہیں؟

غالب: مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے، میر جی اور میر صاحب کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور

اس بدعت کا تتبع نہ چاہیے۔

قدر: آپ مرزا عباس کے نانا ہونے پر اپنے کو ٹکسال باہر کیوں قرار دیتے ہیں؟

غالب: صاحب، تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ میرزا کی بی بی میری بہو ہے، بیٹی نہیں! تم نے جو لکھا کہ میرے نواسے کی شادی ہے۔ کیا سمجھ کے لکھا؟

قدر: ارے تو کیا غضب کی بات ہو گئی؟ نانا دادا میں کیا فرق ہے؟

غالب: نہیں صاحب! میں میرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ بھانجے کی اولاد نو تا پوتی ہے۔ نہ نواسا نواسی۔ مجھ کو اس کی اولاد کا جد فاسد لکھنا ٹکسال باہر بات ہے۔

قدر: آپ تو ناراض ہو گئے واقعی۔۔۔!

غالب: خیر یہ تو ظرافت تھی۔

قدر: تب اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ مرزا عباس کے سبب بھی وہاں آنے کی زحمت گوارا نہیں کریں گے؟ اگر ان کی استدعا بھی ہو، جب بھی نہیں؟

غالب: میرے آنے کی صورت یہ ہے کہ مرزا کی استدعا سے قطع نظر، میرا دل بھی تو پتھر یا لوہے کا نہیں جو اپنے بچوں کو دیکھنے کو نہ چاہے ایک۔ بہن، اس کی مجموع اولاد وہاں، میرا تو وہ خانہ باغ ہو گیا۔ بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو جی نہ چاہے گا؟ بشرط صحت آؤں گا۔ انشاء اللہ۔

قدر: آپ نے خلعت پائی، ہدیۂ تبریک، مگر یہ سب ہوا کیسے؟

غالب: میر صاحب، ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں دسواں نمبر اور سات پارچے اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد پنشن جاری ہو گئی۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگزشت ہو گیا۔ مگر دلی میں دربار نہیں۔ انبالے آؤ گے تو دربار میں نمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے۔

قدر: تو کیا جانا ہوا؟

غالب: سنو، میں نے خبر میں وجدان کا مزا پایا۔ مگر انبالے نہ گیا۔

قدر: اور رابرٹ منٹگمری صاحب....

غالب: ہاں، یہ لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب بھی یہاں آئے، دربار کیا میں دربار میں نہ گیا۔

قدر: تب؟

غالب: دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجھ کو بلا لے گیا۔

قدر: خوب!

غالب: بہت عنایت فرمائی، اور اپنی طرف سے خلعت عطا کی۔

قدر: اچھا حضرت! آغاز دیوان کے اشعار مطلع میں حروف و الفاظ کی قید کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

غالب: آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے، ہاں ردیف الف کی، یہ امر قابل پرسش کے نہیں۔ بدیہی ہے۔

دیکھ لو اور سمجھ لو۔ یہ جو دیوان مشہور ہیں حافظ و صائب و سلیم و کلیم۔ ان کے آغاز غزل کے مطلع دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو۔ کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین، ایک بحر نہ پاؤ گے چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

قدر: یہ تو درست فرمایا۔ لیکن اب ترتیب نو کے متعلق غور کرنا چاہیے۔

غالب: تم نوجوان ہو، میرے قویٰ میں اب اعتدال کہاں؟ جو جدت طرازی پر غور کروں۔

صاحب! تم واقف ہو، میں برس دن سے بیمار تھا، ایک پھوڑا اچھا ہوا، دوسرا پیدا ہوا۔ اب دونوں پانو ہاتھ میں تو پھوڑے ہیں۔ دونوں پانو پر دو پھوڑے پنڈلی کی ہڈی پر ایسے ہیں کہ جن کا عمق ہڈی تک ہے۔

قدر: ہاں یاد آیا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ انھوں نے مجھ کو بٹھا دیا۔ اٹھ نہیں سکتا۔ حاجتی دھری رہتی ہے، پلنگ پر سے کھسک پڑ رہا روٹی بھی اسی طرح کھاتا ہوں۔ پاخانہ کیا کہوں کیوں کر جاتا ہوں۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں یہ سطور لیٹے لیٹے لکھے ہیں (خدا نخواستہ) نیم مردہ ہوں قریب مرگ ہوں۔ افادہ و استفادہ و اصلاح کے حواس نہیں۔

غالب: غزل رہنے دو یہ حال تم کو لکھ بھیجا۔

قدر: اچھا حضرت اب رخصت کی اجازت، مرزا عباس بیگ نے جو حسنِ سلوک مجھ پر اب تک روا رکھا ہے۔ اس کے لیے ان

کا ممنون ہوں ۔

غالب : سیّد صاحب : تم نے جو برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خان بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے، تم کیوں شکر گزار ہوتے ہو ؟

قدر : وہ کیوں ؟

غالب : جو کچھ نیکی اور نکوئی اس اقبال نشان نے تمہارے ساتھ کی ہے اس کا سپاس میں ادا کروں ۔ خدا کی قسم دل سے دعائیں دے رہا ہوں ۔

قدر : بے حد شریف طبع ہیں ۔

غالب : بھائی اس کا جوہر طبع از روئے فطرت شریف ہے پروردگار اس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلیٰ کو پہنچائے ۔ یہ اپنے والدین کے خاندان کا فخر ہے اور چوں کہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے ۔ پس وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے وہ اپنے جی میں کہتا ہو گا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا ۔ میں تو زر کو خاک خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا کاش کہ جب ایسا ہوتا جیسا اب ہوں ۔ تو سب سے پہلے پہنچتا ۔ جی اس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے ۔

قدر : مرزا عباس بھی بہت مشتاق ہیں ۔

غالب : دیکھوں اس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے ۔

قدر : اب تو بفضلہ سکون ہے ؟

غالب: میں اب اچھا ہوں۔ برس دن صاحب فراش رہا ہوں۔ چھوٹے بڑے زخم باراں اور ہر زخم خوں چکاں، ایک درجن پھائے لگ جاتے تھے جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا۔ تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے وہ کھا کر جیتا ہوں، کبھی کھاتا ہوں، کبھی پیتا ہوں۔ مرض کے نشان میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہیں کہ دونوں پانو کی دو دو انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں سخت متورم ہیں جوتا نہیں پہنا جاتا۔ ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا۔

قدر: عمر کا بھی تو تقاضا ہے۔

غالب: اب کے رجب یعنی ماہ آیندہ کی آٹھویں تاریخ سے ستر واں برس شروع ہوگا۔

جو ہفتاد آمد، اعضا رفت از کار

پس اب شکوۂ ضعف، نادانی، ایمان سلامت رہے نجات کا طالب غالب۔

ایاز: (سامنے آکر) حضور آفتاب بعد سوا پہرہ گرنے والا ہے۔

غالب: (مسکرا کر) اچھا بھائی۔ سید صاحب سے کلام طول ہو گیا۔ خیال نہ کرنا یہ قرۃ العین میر غلام حسنین سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں، سید ہیں، صاحب ہیں۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کی یادگار ہیں۔ ان سے کلام کرنا اور ملنا باعث سعادت ہے۔

قدر: (اٹھتے ہوئے) آپ میرے استاد ہیں، میں آپ کا شاگرد ہوں یہ امر میرے لیے باعث سعادت و شرف ہے۔ اچھا حضور رخصت۔

غالب: جاؤ بھائی۔ یاد رکھنا۔ یہ صحبت سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء کو تمام ہوتی ہے۔ دُعا ہے خدا پھر ملائے۔

"غالب اور قدر بلگرامی کے درمیان
اس کے بعد ۱۸۶۴ و ۱۸۶۵ء کے
درمیان جو خط و کتابت ہوئی، اس
کے صرف تین خط ہی ملتے ہیں ان میں
جو مکالمہ ہے وہ ملاحظہ ہو"

ایاز: (کمرے میں داخل ہو کر ادب سے) حضور، میر قدر بلگرامی باریابی چاہتے ہیں۔

غالب: (خوش ہو کر) لے آؤ مولانا ایاز۔ میرے صاحب کو لے آؤ۔ میرے قرۃ العین، نور چشم کو فوراً لے آؤ۔

ایاز: (جاتے ہوئے) ابھی لایا حضور۔

قدر: (پیش خدمت ہوتے ہوئے) قدر بے مقدار سلام فدویانہ پیش کرتا ہے۔

غالب: (کہولت کے باوجود، ذرا اٹھتے ہوئے) ایسا نہ کہو۔ سید صاحب تم "قدر" اور نور چشم مرزا العباس "قدر دان" ہو خاطر جمع رکھو۔

قدر: جب ہی میرے فرستادہ قصیدہ دل پر نظر رکھی، نہ مشورہ عطا ہوا۔

غالب: ایسا نہ کہو، نوکری تمہاری ہو جائے گی، صاحب دلیسم ہنیڈ

فورڈ ڈائرکٹر تعلیمات (اردو) اور راجہ (مہاراجہ مان سنگھ) کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستہ ہیں۔

قدر: اور میرزا۔۔۔؟

غالب: مگر میرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو یہ تو ایک باغ ہے۔ سرسبز و شاداب، جس میں گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت بے شمار، زمین سراسر سبزہ زار۔ بہت حوض، بہت نہریں بہتی نظر نہیں آتی۔ سبزہ یا لہریں۔

قدر: قدردانی ہے۔ ہمت افزائی ہے۔

غالب: فقیر غالب تمہارا خیرخواہ اور تمہارے ممدوح کا دعاگو ہے۔

قدر: وہ تو ہوا مگر اپنا کلام کیوں نہ ارسال فرمایا؟ اصلاح کیوں نہ بھیجی؟

غالب: حضرت فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے۔ اصلاح دینے سے توبہ کی ہے۔ شعر سننا تو ممکن ہی نہیں۔ شعر دیکھنے سے نفرت ہے "چھتر برس کی عمر، پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا، نہ مدح کا صلہ ملا، نہ غزل کی داد۔

قدر: لیکن آج کون ہے جو آپ کو شاعر باکمال نہ مانتا ہو؟

غالب: نہ بھئی۔ سب شعراء سے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعراء میں شمار نہ کریں اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔ لاؤ کاغذ قلم دستخط کردوں۔ اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب والملقب نجم الدولہ خدابخش بیا مرزا د۔

غالب: جاؤ بھائی۔ یاد رکھنا۔ یہ صحبت سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء کو تمام ہوتی ہے۔ دُعا ہے خدا پھر ملائے۔

"غالب اور قدر بلگرامی کے درمیان
اس کے بعد ۱۸۶۴ و ۱۸۶۵ء کے
درمیان جو خط وکتابت ہوئی، اس
کے صرف تین خط ہی ملتے ہیں ان میں
جو مکالمہ ہے وہ ملاحظہ ہو"

ایاز: (کمرے میں داخل ہو کر ادب سے) حضور، میر قدر بلگرامی باریابی چاہتے ہیں۔

غالب: (خوش ہو کر) لے آؤ مولانا ایاز۔ میرے صاحب کو لے آؤ۔ میرے قرۃ العین، نورچشم کو فوراً لے آؤ۔

ایاز: (جاتے ہوئے) ابھی لایا حضور۔

قدر: (پیش خدمت ہوتے ہوئے) قدر بے مقدار سلام فدویانہ پیش کرتا ہے۔

غالب: (کھولت کے باوجود، ذرا اُٹھتے ہوئے) ایسا نہ کہو۔

سید صاحب تم "قدر" اور نورچشم مرزا العباس "قدر دان" ہو خاطر جمع رکھو۔

قدر: جب ہی میرے فرستادہ قصیدہ دل پر نہ رکھی، نہ مشورہ عطا ہوا۔

غالب: ایسا نہ کہو، نوکری تمہاری ہو جائے گی، صاحب دلیسم ہنیبڈ

فورڈ ڈائرکٹر تعلیمات (اردو) اور راجہ (مہاراجہ مان سنگھ) کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستہ ہیں۔

قدر: اور میرزا...؟

غالب: مگر میرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو یہ تو ایک باغ ہے۔ سرسبز و شاداب، جس میں گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت بے شمار زمین سراسر سبزہ زار۔ بہت حوض، بہت نہریں مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ یا نہریں۔

قدر: قدر دانی ہے۔ ہمت افزائی ہے۔

غالب: فقیر غالب تمہارا خیر خواہ اور تمہارے ممدوح کا دعا گو ہے۔

قدر: وہ تو ہوا مگر اپنا کلام کیوں نہ ارسال فرمایا؟ اصلاح کیوں نہ بھیجی؟

غالب: حضرت فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے۔ اصلاح دینے سے توبہ کی ہے۔ شعر سننا تو ممکن ہی نہیں۔ شعر دیکھنے سے نفرت ہے "پچھتر برس کی عمر" پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا، نہ مدح کا صلہ ملا، نہ غزل کی داد۔

قدر: لیکن آج کون ہے جو آپ کو شاعر باکمال نہ مانتا ہو؟

غالب: نہ بھئی۔ سب شعراء سے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعراء میں شمار نہ کریں اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہوں۔ لاؤ کاغذ قلم دستخط کردوں۔ اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب والملقب بنجم الدولہ خدا بخش بیا مرزا د۔

قدر: اپنی بابت ایسا کلام نہ کیجئے۔ پورب، پچھم میں کون ہے جو آپ کے فن اور آپ کی علمیت و قابلیت کا مداح نہ ہوں۔ مولوی نجف علی صاحب تک آپ کے معترف ہیں۔ آپ تو ان سے آگاہ ہوں گے؟

غالب: مولوی نجف علی صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو۔ تم کچھ کہو تو جانوں۔ واللہ اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے انکو دیکھا ہو۔ چہ جائیکہ اختلاط و انبساط صرف بہ رعایت جانب حق چند کلمات انھوں نے لکھے ہیں۔

قدر: خوب یاد آیا، وہ محرق قاطع برہان کا نسخہ کہاں ہے؟

غالب: دیکھو صاحب: تم میرے یار ہو اور میری خدمت گزاری کے حقوق ہیں تم پر، مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو۔ محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے، مجھ سے لو۔ میں ہر موقع پر خطا اور ذلت (لغزش) مولف کا اشارہ کر دوں گا تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں تولو۔

قدر: مجھ میں یہ صلاحیت کب ہے؟ قاطع برہان کا مطالعہ اور ارتداد ....

غالب: تم عامی نہیں ہو، عالم ہو۔ آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر "محرق" کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں، تمہارے پاس دو نسخے ہیں ایک "دافع ہذیان" ایک "سوالات عبدالکریم" مع استفادہ اختام دستخطی علماء دہلی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے ساتھ میرے

اشارات سود مند پہنچیں گے۔

قدر: یہ بجا ہے۔ اس طرح معارضہ بخوبی ہو سکے گا۔

غالب: ہاں تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی کا کلام دراصل لغو پھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود اور تین نسخے معقول اس پر مزید علیہ اس پر "محرق" کا فاکہ اڑ جائے گا۔

قدر: مناسب ہے، آپ کتاب عطا فرما دیجئے گا۔

غالب: میں نسخہ مطبوعہ نا مطبوعہ "محرق" بسبیل ڈاک بھیج دوں گا مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے، اُسی دن سے آپ اُردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجئے۔ اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجئے، پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔

قدر: تعمیل ارشاد فوراً ہوگی، مگر لوگ آپ کے مذہب سے متعلق سوال کرتے ہیں۔ ان سے کیا کہا جائے؟

غالب: اثنا عشری حیدری۔

قدر: اور وہ جو شہرت ہے؟

غالب: کس بات کی بھائی؟

قدر: "دردتہ جام بہت ہے" -!

غالب: مذاق نہ اُڑاؤ۔ میں اس کا جواب دے چکا ہوں۔

قدر: وہ کیا؟

غالب: مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو

قدر: پھر؟ یہ نا و نوش؟

غالب: "اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے"

قدر: لیکن کیوں؟ سبب؟

غالب: سنو، ایک شخص بھیک مانگتا ہے، باپ نے اس کا نام میر بادشاہ رکھ دیا ہے۔ اس سے اس کی ذات کو کیا؟ مختصر یہ کہ ہاتھ رعشہ دار، آنکھیں ضعیف البصر، حواس مسلوب ہیں، من کل الوجوہ غالب مغلوب ہے۔ پھر بھی کوئی گلہ نہ تھا مگر جب تم جیسا عالم اور شاگردبھی شاکی ہو تو وائے قسمت!

قدر: نہیں حضرت میرا مدعا یہ نہیں تھا۔ آپ ملال نہ کریں۔ لطف خاص کا مرہون ہوں۔ وہ امید ہے کہ بدستور قائم رہے گا۔

غالب: خیر تم "قدر" اور نور چشم مرزا عباس "قدر داں" خاطر جمع رکھو اور سعادت و اقبال نشان مرزا عباس بیگ خاں کو میری دعا کہنا اور (ہاتھ بڑھاتے ہوئے) یہ ورق ان کو سراسر پڑھا دینا۔ ڈاک سے بھیجتا۔ اب تم ہی پہنچا دینا۔

قدر: (خط لیتے ہوئے) بسر و چشم تعمیل ارشاد ہوگی۔ رخصت کی اجازت؟

غالب: جاؤ۔ خدا کی امان۔ امام کی ضامنی میں۔ یہ سال ۱۸۶۵ء ہے۔ اب میری زندگی کا چراغ بھی دو چار سال سے زیادہ نہ جلے گا۔ میرا ہی شعر ہے۔ سن لو۔

قدر: عطا ہو۔ ارشاد۔

غالب: عطا نہ کہو۔ خطا کہو۔ خیر سنو۔

در کشِ ضعفم نگسلد رواں از تن

ایں کہ من نمی میرم ہم زناتوانی ہاست

اچھا میر قدرؔ خدا حافظ!

قدر: (رخصت ہوتے ہوئے) خدا حافظ!

(قدر بلگرامی غالب سے رخصت ہو کر قدم دو قدم چلتے ہیں، پردہ آہستہ آہستہ گرنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ دروازے تک آتے ہیں تو پردہ قطعی طور پر گر جاتا ہے)

صاحب عالم مارہرویؒ

سادات بلگرام کی جو شاخ مارہرہ ضلع ایٹہ آکر آباد ہوئی، اس میں حضرت شاہ سید برکت اللہ اعلی اللہ مقامہ کا نام سرِ فہرست ہے آپ ۱۱۴۲ھ میں فوت ہوگئے۔ ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ پیمی تخلص فرماتے تھے بڑے فضل و کمال اور صوفی باصفا بزرگ تھے۔ ان ہی کے اخلاف میں حضرت شاہ سید صاحب عالم، تخلص صاحب بھی ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فرخ آباد میں حاصل کی، فاضل اجل متبحر عالم تھے۔ ان کی علمیت اور دقیقہ نظری کا شہرہ سُن کر ہی غالب اُن سے ملنے کے شائق ہوگئے۔ حضرت صاحب نے بھی غالب کی فارسی ہمہ دانی سے متاثر ہو کر مارہرہ اُن کو مدعو کیا۔ اگر ناسازگار حالات نے ایک دوسرے سے ملنے نہ دیا۔ مگر ہر دو بزرگواروں کے مابین خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا۔ چنانچہ اگست ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۶ء تک کے خطوط کا سلسلہ ملتا ہے۔ اس کے تین سال بعد غالب نے ۱۲۸۵ھ (۱۵ فروری ۱۸۶۹ء) میں وفات پائی اور حضرت صاحب عالم نے بھی ٹھیک وفاتِ غالب کے ۳ سال بعد ۱۲۸۸ھ میں اس دنیا سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا اور اپنے جد حضرت شاہ برکت اللہ

صاحب مرحوم و مغفور کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اس طرح چہدے لکھتک کے لیے مارہرہ عز و افتخار کا باعث بن گیا۔

غالب کو ایک بار حضرت صاحب نے لکھا کہ لفظ "تاریخ" سے میرا سالِ ولادت نکلتا ہے آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟ غالب نے اس کا جواب تفریحی انداز میں درسل کیا اور یہ شعر لکھ بھیجا۔

ہاتف غیب شب کو یوں بہ چیغا　　ان کی تاریخ میرا تاریخا

لفظ "تاریخ" کے اعداد میں اگر اضافی حرف الف کا ایک عدد جمع کر دیا جائے تو غالب کی تاریخ پیدائش کا سال نکل آئیگا ۱۲۱۲ھ۔ اس طرح غالب، حضرت صاحب سے ایک سال چھوٹے تھے لیکن غالب نے قدر و منزلت کی جو حد مقرر کر رکھی تھی۔ اس کے پیش نظر حضرت صاحب کی شخصیت بے حد عظیم نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے غالب جیسا فن کار بھی ان کا ادب و لحاظ کرنے پر مجبور تھا۔ ورنہ غالب نے اپنے عہد کے کسی اکابر کی بات توجہ سے نہ سنی جو اپنے پاسنگ کا نہ پایا تو نقص ہی نکالتے گزار دی۔ برخلاف اس کے حضرت صاحب کی ہر آن تکریم کا خیال رکھتے۔ چنانچہ خط چودھری عبدالغفور، سرور مارہروی کے نام ہوں یا حضرت شاہ عالم صاحب فرزند اکبر حضرت صاحب کے نام نامی تحریر کیے گئے ہوں، ہر خط میں احترام و فضیلت کے القاب و نشان حضرت صاحب کے لیے ضرور ملیں گے۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء میں شاہ عالم مارہروی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"آرزوئے دیدار حد سے گزر گئی۔ یا رب جب تک حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوارالدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور ان سے ہم کلام نہ ہو لوں، میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو۔"

یہ تحریر شیفتگی و تمنا کی آخری حد ہے، لیکن آرزوئے دید نہ اویس قرنی کی

پوری ہوئی نہ غالب دہلوی کی۔ دونوں آرزو کے دید لیے ہوئے دارِ فانی سے دارِ بقا کو رخصت ہو گئے۔ سچ ہے۔

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی (غالب)

خطوطِ غالب کے سوا اب کوئی ذریعہ نہیں جو غالب و صاحب کی علمیت و قابلیت اور وجاہت کا اندازہ کیا جا سکے۔ چنانچہ ایک تاریخی یادگار یہ واقعہ ہو کر رہ گیا ہے کہ غالب نے اپنی وفات سے کچھ دن قبل جو تصویر کھنچوائی تھی اور اپنے دستِ خاص سے حضرت صاحب کا پتہ تحریر فرما کر ان کو دہلی سے مارہرہ روانہ کیا تھا وہ امتدادِ زمانہ سے محفوظ رہی اور مارہرہ سے سید محمد موسیٰ زیدی مارہروی جھجھکے کے واسطے سے کتب خانہ اطہر وہ اور وہاں سے کتب خانہ مسلم یونیورسٹی میں پہنچی اور اب یہی تصویر دوالی و داتنی ما باقی ہے گویا۔

چمن کا جلوہ باعث ہے تری رنگیں نوائی کا

غالب دہلوی و صاحب مارہروی

افراد ڈرامہ:

غالب: اسد اللہ خاں غالب

صاحب: حضرت شاہ سید صاحب عالم بلگرامی۔ معروف بہ صاحب مارہروی، سجادہ نشیں برکاتیہ مارہرہ شریف۔

نیاز علی: ملازم غالب۔

مکان: جنت والا شان۔

زمان: ۱۲۸۸ھ

منظر اوّل

(غالب اپنے مکان کے ایک کشادہ کمرے میں فروکش ہیں۔ صدر کمرہ میں فرش بچھا ہے۔ آخری حصہ میں چارپائی؛ اسی سے ملحق قلم دوات اور کاغذ رکھا ہے۔ چارپائی کے قریب دو مونڈھے رکھے ہیں۔ کونہ میں تپائی پر صندوق اور اسی سے ملحق ایک نیچے پائی کی چوکی بچھی ہے۔ ایک کنارے تکیہ اور دوسرے کنارے پیکدان رکھا ہے۔

غدر ۱۸۵۷ء گزر چکا ہے۔ غالب پر اضمحلال طاری ہے وہ بار بار اس شعر کا

ورد کرتے ہیں ؎

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے

کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

نیاز علی آہستہ قدم کمرہ میں داخل ہوتا ہے اور دست بستہ عرض کرتا ہے۔

نیاز علی: (ادب سے) پالکی آگئی۔ فنیس کھڑی ہے۔ ریل کا وقت ہو گیا ہے۔

غالب: (چونک کر) نیاز علی کی طرف دیکھتے نہیں مگر پوچھتے ہیں۔ سب سامان

تکل ہے؟

نیاز علی: (سر ہلا کر) اثبات میں جواب دیتا ہے اور سامان کی جانب اشارہ کرتا ہے

غالب: (مڑ کر) ایک نظر سامان کی طرف دیکھتے ہیں گویا اب ہوش میں آگئے ہیں۔

سفر سر پر سوار ہو گیا ہے، قدم اٹھاتے ہیں، کلاہ ترک پہنتے ہیں، لباس فاخرہ

زیب تن کرتے ہیں اور نیاز علی سے دریافت کرتے ہیں۔

غالب: تم نے سامان بار کر دیا؟ وہ سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیتا ہے۔ مرزا

کمرے سے دالان میں اور دالان سے صحن میں آکر درو دیوار پہ ایک الوداعی نظر

ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں ۱۲۸۵ھ کا دن یادگار رہے گا۔ عالم خیال میں یہ شعر

زبان پر آتا ہے۔

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے

کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

نہ صرف یہ بلکہ ایک آخری شعر اور بھی پڑھتے ہیں

اسداللہ خاں تمام ہوا

اے دریغا وہ رند شاہد باز

اور پالکی میں بیٹھ جاتے ہیں۔

راقم: نہ پالکی، نہ کہار، نہ ریل، نہ سفر۔ یہ سفرِ آخرت ہے۔ جہاں جانے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا، اگر کوئی آتا ہوتا تو غالب سب سے پہلے واپس آتے۔ ان ہی کا شعر ہے ؎

آہی جاتا وہ راہ پر غالبؔ
کوئی دن اور جی لیے ہوتے

لیکن موت کا ایک دن معین ہے اور اس کے بعد ابدی نیند۔ اسی ابدی نیند میں غالبؔ نے حضرت صاحب عالم مارہروی سے ۱۲۸۰ھ میں دارالفنا میں ملاقات کی، وہاں نہ نیاز علی تھے، نہ کلو ملازم۔ نہ ایا نہ نہ مداری۔ صرف تخیل تھا اور غالبؔ!! اگرچہ خود ان کا خیال یہ تھا ؎

نہ کہہ کسی سے کہ غالبؔ نہیں زمانہ میں
حریف رازِ محبت مگر در و دیوار

منظر: (پردہ اٹھتا ہے) سرسبز و شاداب فضا میں ہزارا تسبیح کے دانوں پر درود شریف پڑھتے حضرت شاہ سید صاحب عالم صاحب مارہروی جامۂ سفید پہنے تختِ مرصع پر بیٹھے ہیں۔ مریدین و مرشد زادگان اہلِ خاندان اِدھر اُدھر بیٹھے ہیں سب یادِ الٰہی میں مصروف ہیں۔

غالبؔ بھی کلاہ طویل اور لباس فاخرہ میں ان کے پاس پہنچ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ (پردہ اٹھتا ہے) مجمع آنے والے کو دیکھتا ہے، حیرت میں ہوتا ہے!

غالب: پیر و مرشد۔ سلام و نیاز پہنچے۔

صاحب: (نظر اٹھا کر) وعلیکم السلام۔

غالب: مزاج کیسے ہیں؟ آپ نے پہچانا؟

صاحب: (قیافہ سے پہچان کر) شکرِ خداوندی ہے۔ لیکن آپ سے شکایت ہے

مرزا صاحب!

غالب : خوب ۔ مجھ حقیر سے اور آپ جیسے ذکی کامل کو شکایت ؟

صاحب : ہاں ۔ آپ نے کف الخضیب کے باب میں جواب کیوں نہ دیا ؟

غالب : حضرت، یہ صور جنوبی میں سے ایک صورت ہے اس کے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں، لیکن آپ نے مجھے جاناکیسے، جو گلہ فرمایا ؟

صاحب : تعلق خاطر سے، دہلی بڑا شہر ہے، اختر شناسوں سے معلوم کیا ہوتا۔ یہ بھر اور میرا سوال بھی۔

غالب : اختر شناسانِ ہند کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں اور ان کی زبان میں اس کا نام بھی یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ (جواب اور شکوہ کا ایک ہی ساتھ جواب دیتے ہیں)

صاحب : وہ کیوں ؟

غالب : قبول دعا وقت طلوع منجملہ مضامین شعری ہے جیسے کتان کا پرتوِ ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔

صاحب : اور آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے۔ اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران و روم فرنگ سے انواع انواع کپڑے منگوائے، چاندنی میں پھیلائے، مسکا بھی نہیں۔ کیوں ؟

غالب : (اقرار کرتے ہوئے) تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱، کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے اس سے تجاوز نہیں۔

صاحب : اور وقت تحویل ؟

غالب : رہا طالع وقت تحویل درست کرنا، بے کتب فن اور مبلغ علم ممکن نہیں میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں۔

به دانم که گیتی چساں می رود

چہ نیکو چہ بد در جہاں می رود

میں تو اب روز و شب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گزری، اب دیکھیے موت کیسے ہو؟

صاحب : وہ تو آپ کہہ چکے ہیں نا؟

غالب :

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ

مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

میرا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسب حال۔

صاحب : ہاں بھئی وہ سکّے کے وار کا کیا واقعہ ہے؟

غالب : حضرت کچھ نہ پوچھیے۔ سکّہ کا وار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا یا کوئی گراب۔ کس سے کہوں، کس کو گواہ لاؤں؟ یہ دونوں سکہ ایک وقت میں کہے گئے۔

صاحب : کب؟

غالب : یعنی جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوقؔ نے یہ دو سکّے کہہ کر گزرانے بادشاہ نے پسند کیے۔ مولوی محمد باقر جو ذوقؔ کے معتقدین میں تھے انہوں نے دلی اردو اخبار میں یہ دونوں سکّے چھاپے۔

صاحب : خوب!

غالب : اس سے علاوہ اب تک وہ لوگ موجود ہیں کہ جنھوں نے اس زمانہ میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکّے سنے ہیں اور ان کو یاد ہیں۔

صاحب: پھر؟

غالب: اب یہ دونوں سکّے سرکار کے نزدیک میرے کہے ہوئے اور گزرانے ہوئے ثابت ہوئے ہیں۔

صاحب: اور وہ دلی اردو اخبار کی سند؟

غالب: میں نے ہرچند قلمرو ہند میں دلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈا کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ دھبّہ مجھ پر رہا۔

صاحب: اور پنشن؟

غالب: پنشن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام ونشان، خلعت و دربار بھی مٹا۔

صاحب: افسوس!

غالب: خیر جو کچھ ہوا چوں کہ موافق رضائے الٰہی کے ہے۔ اس کا گلہ کیا۔

چوں جنبشِ سپہر بہ فرمانِ داور ست
بے داد نبود آنچہ بما آسماں دہد

لیکن یہ سب بطریق حکایت ہے، نہ بسبیل شکایت، گویند از ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ پرسش رفت کہ چہ حال داری؟ فرمود کہ ام حال خواہد بود۔ کسے راکہ خدا از وے غرض طلبد و پیمبر سنت۔ وزن مال خواہد وملک الموت جان؟ قصہ مختصر اب زلیست باامید مرگ ہے۔

صاحب: اور قاطع برہان؟

غالب: چودھری صاحب (سرور ماہروی) کی نثر کے اجزا کے ساتھ بھیجا جائیگا بہ مقابلہ "برہان قاطع" منطبع دیکھا جائے گا اور بے حیف دبے میں از راہ انصاف دیکھا جائے۔ مرشد زادوں کو سلام مسنون۔۔۔۔ (۱۸۵۹ء)

صاحب: اصحاب ثلثہ اور نثر مرجز کے باب میں حیات مستعار میں آپ نے کیا لکھا تھا؟

غالب : (یاد کرتے ہوئے) پیر و مرشد ۔ آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور کے نام روانہ کیا ہے اور اس خیال سے کہ وہ گرمی ہنگامۂ شادی میں اس خط کا آپ کی نظر سے گزرانا بھول نہ جائیں یہ خط جداگانہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں

(یاد کرتے ہوئے)

صاحب : اس تفصیل سے کیا تعلق ؟

غالب : غرض یہ کہ اصحاب ثلثہ کی عبارت نثر مرجز کے باب میں اتنی ہی ہے وزن دارد، سجع ندارد۔ خدا کے واسطے "وزن" تقطیع شعر کو کہتے ہیں۔ وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے ؟

صاحب : اور سجع ... ؟

غالب : اس کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صنعت مثال کی نثر میں موجود ہے جو ہے اس کا سلب، جو نہیں اس کا ثبوت کیوں کر مانوں ؟

صاحب : اور ہم وزن ہونا ؟

غالب : کیا آپ کی یہ مرضی ہے کہ الفاظ کے ہم وزن ہونے کو وزن تقطیع شعر کو سجع مان لوں ؟

صاحب : کیوں ؟

غالب : میں تو نہ مانوں گا۔ آپ کو اختیار ہے۔ یہ کلام معصوم کا نہیں کہ اس کے مسلّم نہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جائے۔ زبان فارسی مردے کا مال ہے۔ عرب کے ہاتھ بطریق یغما آیا ہے۔ جس طرح چاہیں صرف کریں۔

صاحب : یہ کیسی بحث ایجاد کر دی ؟

غالب : خواجہ نصیر الدین طوسی آٹھ حرف کا زبان فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور

"ذال" نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔ اِلّا کوئی لغت فارسی ایسا بتائیے کہ جس میں "ذال" آئی ہو؟

صاحب: گزاشتن و گزشتن و پذیرفتن ....

غالب: سب "زے" سے ہیں۔

صاحب: اور کاغذ؟

غالب: ذال مہملہ سے ہے اس کا ذال سے لکھنا اور کاغذ کو اس کی جمع قرار دینا تعریب ہے بہ تخفیف۔ اور اسم آتش بدال ابجد ہے نہ بذال۔ شخذ کوئی لفظ متحد المخرج فارسی میں نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔

صاحب: یاد آیا۔ یہ بھی لکھا تھا۔ "تے" ہے "طوے" نہیں۔ "سین" ہے "ث" نہیں۔ اور "صاد" نہیں "ہائے ہوز" ہے "حائے حطی" نہیں۔ یہاں تک کہ "قاف" نہیں۔ اس راہ سے کہ غین متحد المخرج بلکہ قریب المخرج ہے۔

غالب: اور "زے" کے ہوتے "ذال" کیوں کر؟

صاحب: وہ عبد الواسع کا کیا قضیہ ہے؟

غالب: وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت بوڑھے چھکے جناب عبد الواسع فرماتے ہیں کہ "بے مراد" صحیح اور "نامراد" غلط۔ ارے سٹھیا ناس جائے "بے مراد" اور "نامراد" میں وہ فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے "نامراد" وہ ہے کہ جس کی کوئی مراد، کوئی خواہش۔ کوئی آرزو بر نہ آوے "بے مراد" وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو۔

صاحب: از قسم بے مدعا و بے غرض و بے مطلب ...

غالب: حبذا اللہ ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے؟ "ناپروا" اور "ناکام" اور "نادرست" اور "ناچار" جو کہ بہ تخفیف ناچارہ اور "ناہار" کہ یہ

مخفف "نہ آیا" ہے۔

صاحب: اور "نامراد" اور "ناانصاف"؟

غالب: یہ سب درست نہیں۔ ہاں کہاں گئے ہانسی والے معلم؟

صاحب: خوب، خوب۔ ہاں، وہ ایطا کی تعریف میں کیا لکھا تھا؟

غالب: (یاد کرتے ہوئے) قافیہ شایگاں کہ جس کو عرب ایطا کہتے ہے وہ دو طرح پر ہے۔ خفی و جلی۔ اہل خرد نے خاک اڑائی ہے اور بات بنائی ہے۔ خفی اور جلی کی تعبیر میں وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحب طبع سلیم کبھی اس کو نہ سمجھے۔ بچ جائے آں کہ مانے۔ اصل یہ ہے کہ ایطا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے ہوں۔ جیسے الف فاعل گویا و بینا و شنوا۔ شعر اسیر

اے دانہ تسبیح خیالت دل دانا

سر حلقۂ مستان رخت دیدۂ بینا

صاحب: سبحان اللہ۔ کیا شعر ہے۔

غالب: اور نون دال مضارع کا جیسا استاد کے اس مطلع میں ہے۔

دل شیشہ و چشماں تو ہر گوشہ برندش

مست است مبادا کہ بناگہ شکنندش

اور ایسا ہی الف نون جمع کا۔

صاحب: مثلاً

غالب: مثل چراغاں و بجاناں اور ایسا ہی الف نون حالیہ، مانند گریاں و خنداں پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہے۔

صاحب: اور ایطائے خفی۔

غالب: اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ میں آپڑے تو ایطائے

خفی ہے۔

صاحب : اور ائمہ فن ؟

غالب : ائمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔

صاحب : یہ میر عبد الواسع، غیاث الدین رام پوری اور عبد الرزاق کیا سند کا درجہ نہیں رکھتے۔ ؟

غالب : اگر قائل تحقیق ہیں تو میرے بیان پر غور کریں اور جو عبد الواسع اور غیاث الدین اور عبد الرزاق ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے تو تم جانو ایک شخص بھیک مانگتا ہے۔ باپ نے اس کا نام میر بادشاہ رکھ دیا ہے۔

صاحب : اور مرزا قتیل ؟

غالب : اصل فارسی کو اس کھتری بچے قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔ رہا سہا غیاث الدین رام پوری نے کھو دیا۔ اُن کی سی قسمت کہاں سے لاؤں۔ جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں ؟

صاحب : اس قدر بے اعتباری ؟

غالب : خالصاً للّٰہ غور کرو کہ وہ خران ناشخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا بکتا ہوں۔ واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے۔

صاحب : یہ فیصلہ بھی خوب ہے۔

غالب : (ذرا جوش سے) میرا دہ (یہ) خط پڑھیئے (پڑھو) یہ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی پڑھیئے (پڑھو) قوت ممیزہ سے کام لیجیئے (لو) ان غولوں پر لعنت کر دیجئے (کرو) سیدھی راہ پر آجائیے (آجاؤ) اگر

نہیں آتے تو آپ جانئے (تم جانو) آپ کی (تمہاری) بزرگی پر اور مرزا تفتہ کی نسبت پر نظر کرکے لکھا ہے نہیں کہتا کہ ......

صاحب : (مسکرا کر جملہ پورا کرتے ہیں) خواہی نخواہی میری تحریر کو مانو۔ مگر اس کھتری بچے اور اس منشی سے مجھ کو کمتر نہ جانو۔ عربی کا حرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے۔ سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام فرماؤ، غور کرو، سمجھو.....

غالب : حضرت عبدالواسع پیغمبر نہ تھا۔ قتیل برہما نہ تھا۔ واقف غوث الاعظم نہ تھا میں یزید نہیں ہوں۔ شمر نہیں ہوں۔

صاحب : اور یہ کہ۔ مانتے ہو مانو۔ نہ مانو تم جانو۔ خیر اپنا حال سنائیے۔

غالب : بعد حمد خداوند و نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قبلۂ روح و رواں جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی اور حضرت مقبول عالم کی شادی کی مبارک باد۔ کیا عرض کروں میرا حال کیا ہے؟

صاحب : کیوں؟ خیر؟

غالب : اضمحلال قویٰ کا حال مختصر یہ ہے کہ اگر کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے آجائے تو اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ جو کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ آج دوپہر کو میر عبدالعزیز صاحب آئے۔ میں بے کلاہ و بے پیرہن پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر اُٹھا مصافحہ کیا...... (یاد کرتے ہوئے)

صاحب : تب؟

غالب : انھوں نے (یاد کر کے) جناب شاہ عالم صاحب کا خط مع مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤں گا۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں

خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لے جائیں۔ وہ تشریف لے گئے۔

صاحب : پھر؟

غالب : میں لیٹ رہا۔ مجھ کو سونے کی عادت نہیں ہے۔ جی میں کہا آؤ بے کار کیوں رہو، خط کا جواب آج لکھ رہا ہوں۔ اٹھے کون؟ بکس کھولے کون؟ لڑکوں کی دوات قلم مونڈھے پر پلنگ کے پاس رکھ لی۔ اب مقتضی اس کا ہوا کہ آغاز نامہ بنام اقدس ہو۔

صاحب : قاطع برہان کس مرحلہ پر ہے؟

غالب : حضرت۔ نسخہ "قاطع برہان" تیسری چوتھی نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے۔ آٹھ جز لکھے گئے کم و بیش دو جز باقی ہیں۔

صاحب : کب تک مکمل ہوں گے؟

غالب : پرسوں تک آجائیں گے۔ بعد اس کے انطباع کی فکر ہو گی۔ جب وہ عروس امصار پذیر ہو جائے گی۔ حضرت کی نظر سے بھی شرف پائے گی۔

صاحب : منتظر رہوں گا۔

غالب : (مسکرا کر نظر انداز کرتے ہوئے) حضرت سید عالم کو نیاز۔ خورشید عالم کو سلام۔ چودھری صاحب کو نہ سلام نہ نیاز، صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو مفرح روح سمجھتے تھے۔ باتوں کا مزہ ملتا تھا۔ خیر و عافیت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ وظیفۂ روحانی منقطع کیوں ہوا؟ صاحب یہ روش اچھی نہیں۔ گاہ گاہ رسل و رسائل کا طور بنا رہے۔

صاحب : آپ کا پیام اپنی جگہ مسلم مگر آپ تو خود قطع تعلق کے قائل ہیں۔ ورنہ میرے مطلع کا جواب نہ آتا؟

غالب : پیر و مرشد۔ اس مطلع و حسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیوں کر

بجا لاؤں؟

صاحب: نہ سمجھنے کی وجہ؟

غالب: خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصان درگاہ سے بھلا کہلواتا ہے۔ ظاہرا میرے مقدر میں یہ سعادت عظمیٰ تھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔

صاحب: ایسی نا امیدی کیوں؟

غالب: اللہ اللہ ایسے "کشتنی و سوختنی" کو یوں بچایا۔ اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا۔ کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں، اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں۔

صاحب: خیال آرائی اس کو کہتے ہیں؟

غالب: (بات کو پس پشت ڈال کر) واسطے خدا کے اظہار اشعار نہ فرمائیگا۔۔۔۔

صاحب: ورنہ؟

غالب: بندہ دعویٰ خدائی کرنے میں محابا نہ کرے گا۔

صاحب: پنج آہنگ کا جواب ندارد۔

غالب: "کتاب افادت مآب پنج آہنگ نسخہ لطیف شریف تالیف" (آپ کا خط) اس کے آگے غلام سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ مگر چودھری صاحب اور حضرت شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہو گئے تھے)۔ پھر بھی دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں۔ ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب ان دو ناموں میں تردد باقی نہ رہا۔ لہذا یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے؟

صاحب : یہ کیا داستان شروع کر دی؟

غالب : (معذرت خواہ ہو کر) اگر پنج آہنگ مطلوب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک بھتیجی بھائی ہے نواب ضیاء الدین خاں سلمہ اللہ تعالیٰ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ "مجموعۂ نثر" اور "کلیات نظم اردو" سب نسخے اس کے کتب خانہ میں تھے۔ وہ کتب خانہ ڈر کر عرض کرتا ہوں بیس ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوگا۔ لٹ گیا۔ ایک ورق نہ رہا۔

صاحب : افسوس۔ باعث رنج و ملال ہوا۔

غالب : ہاں چھاپے کی پنج آہنگ اب بھی بکتی ہیں اور معیوب بد و عیب ہیں ایک تو یہ کہ جو بعد انطباع از قسم نثر تحریر ہوا ہے وہ اس میں نہیں۔ دوسرے کاپی نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے اگر کہوں کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو اغراق ہے بے مبالغہ یہ ہے کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں۔ بہرحال اگر فرمایئے تو لے کر بھیج دوں (۱۸۶۱ء)

صاحب : اس کی احتیاج نہیں۔ میں حاصل کر لوں گا۔ بلکہ ممکن ہے ڈاک سے نور البصر فرزند احمد سلمہ نے روانہ کر دی ہو، میں تو ان کو بھی طلب کتاب میں خط لکھا تھا۔

غالب : حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحب عالم کو فقیر اسد اللہ کی بندگی (خوب یاد آیا) دیباچہ کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ لخت جگر و نور البصر مولوی سید فرزند احمد (صفیر بلگرامی) کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں؟

صاحب : پسند کیوں نہ آئے گا؟ تحریر غالب کی، نام غالب کا، کیوں نہ خاطر خواہ میں آئے گا؟

غالب: ہاتھ رعشہ دار، آنکھیں ضعیف البصر، حواس مسلوب ہیں۔ قصہ مختصر من کل الوجوہ غالب مغلوب ہیں۔

صاحب: بہت خوب۔ کچھ مرزا تفتہ کا حال بتائیے۔ اِدھر ملاقات ہوئی؟

غالب: دو مہینے ہوئے منشی ہرگوپال تفتہ بہ سواری ریل یہاں آئے۔ ایک شب رہے۔ صبح کو تشریف لے گئے۔

صاحب: عرصہ سے ان کی خیر و عافیت نہ ملی تھی۔ فکر تھی۔

غالب: (رخصت کی اجازت طلب کرتے ہوئے) مخدوم زادہ شاہ عالم کو سلام اور پیام کہ بطلان حس حافظہ کے سبب آپ کے اخوان کے نام بھول چکا ہوں۔ ان سب صاحبوں کی خدمت میں اور میاں برکات حسن صاحب اور چودھری عبدالغفور صاحب (کی خدمت میں) سلام پہنچائیں۔

صاحب: اور کچھ؟

غالب: اور یہ بھی کہہ دیں کہ مولوی غلام غوث خاں میر منشی نے آپ کا دیباچہ اور میرا مجموعۂ نثر مرتب کر کے منشی ممتاز علی خاں کو بھیج دیا ہے۔ اب چھپوانے میں ان کو اختیار ہے آج ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء ہے۔ اسد۔

صاحب: مرزا صاحب، شاہ عالم سلمہ اللہ تعالیٰ خداوند صمد کی عمر کرے تو وطن ہی میں ہیں۔ فرشتہ خاص ان کی خیر خبر لاتا ہے۔

غالب: اچھا تو حضرت اب رخصت کی اجازت دیجئے۔ سوچتا ہوں۔ سمند خیال کو تازیانہ لگاؤں اور لگے ہاتھوں مخدوم زادہ شاہ عالم سے بھی ملاقات کر آؤں۔

صاحب: ابھی سے جائیے گا؟

غالب: اب جانا کہاں؟ جس کی قسمت میں ننانوے برس کی حوریں ہوں

اس کو مفر کہاں؟

صاحب: لیکن ابھی تو آپ کو ران پر بزادوں سے خلد میں انتقام بھی لینا ہے۔
اس ارادے کا کیا ہوا؟

غالب: لیکن حضرت میں نے یہ بھی تو کہا تھا ؎

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں وے ان کی تمنا نہیں کرتے

صاحب: ارے مرزا، جانے بھی دو۔ تم دو رُخی باتیں کرنا خوب جانتے ہو۔

غالب: (حیران ہو کر) وہ کیا؟ کیسے؟

صاحب: مثلاً یہ شعر ؎

خشا رنگیٔ خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

غالب: تو اس شعر میں دو رُخی کی کیا بات ہے؟

صاحب: یہ دو رُخی نہیں تو کیا ہے۔ خشا رنگیٔ خلوت کہاں، شبنم کہاں؟ اور
صبا، غنچہ، اور پردہ کا کیا تعلق؟

غالب: تعلق کیوں نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

صاحب: بُرا نہ مانئے گا۔ یہ بناوٹ ہے۔ تکلف ہے۔ ایہام ہے۔

غالب: (مسکرا کر)

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عُذر نہ کرنا گناہ کا

صاحب: ان ہی مسائل تصوف اور بے عملی کو دو رُخی بھی کہتے ہیں اور شاعرانہ
بے عملی بھی۔

غالب: یہ اتہام ہے۔

صاحب: لیکن ۱۸۲۸ء میں جب آپ نے کلکتہ کا سفر کیا تھا تو سراج الدین احمد کو یہ نہیں لکھا تھا۔

غالب: کونسی بات؟

صاحب: اگر میری نوجوانی اور شادی وخانہ داری کا بوجھ نہ ہوتا تو میں ساری عمر کلکتہ ہی میں رہ جاتا؟

غالب: اوّل تو مجھے یاد نہیں: دوم یہ کہ اس میں کیا قباحت ہے؟

صاحب: قباحت یہ کہ سے

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

غالب: (تمسخرانہ لہجہ میں) میں نے تو یہ بھی کہا تھا۔

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

صاحب: یہ تو بے رخی کی دلیل ہوئی اور آپ کا عشق بے محابا ہو رہا ہے۔

غالب: حضرت صاحب آپ سب جس کو بے رخی اور عشق بے محابا خیال کرتے ہیں۔ اصل زندگی بھی ہے آپ معرفت الٰہی میں کامل، میں اس سے ناواقف آپ پیر و مرشد، میں ذرا مقلد۔ لیکن عشق مجازی بھی تو عشق الٰہی کا ایک زینہ ہے؟!

صاحب: یہ بحث طویل ہو جائے گی پھر بھی۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالب : اب حضرت نے وعظ و پند کا رخ اختیار کر لیا۔ حالانکہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں ؂

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

صاحب: آپ سے شکست، یا آپ کو شکست کی طرف مائل کرنا، آسان بات نہیں

غالب : ایسا نہ فرمایئے، واللہ آپ کے مرید خاص چودھری عبدالغفور سرور مارہروی کو میں نے بار ہا خط میں آپ کی شان والا میں جو کچھ لکھا ہے اس میں شکست ہی شکست ہے۔ آرزو کے شوق اور ملاقات دید کی آرزو ہی کا دیدار کیا ہے۔ مولائی و مرشدی کے سوا جو کبھی اور کچھ لکھا ہو۔

صاحب: ارے مرزا صاحب، آپ تو مائل بہ خفگی ہو گئے۔ میرا اردو کے سخن ہر گز ہر گز ادھر نہ تھا میرا مدعا تو صرف اس قدر تھا۔

دل مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی رُوبکاری ہے

غالب : پیر و مرشد مجھے ایمان نصیب نہ ہو، کافر کہلاؤں جو آپ کو دروغ سے واہ دوں میرا ایمان تو بس اسی قدر ہے۔

سیکھے ہیں مہرخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

اور اگر حق کہیئے تو میرا عقیدہ یہ ہے۔

ڈھونڈے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

کیا یہ عقیدہ، صوفیائے کرام، محفل سماع، خانقاہ اور حلقۂ الٰہی کے ماننے والوں کا نہیں ہے ؟

صاحب: مرزا صاحب باتوں باتوں میں آپ نے دنیا سے دین کی یاد دلاتی۔ اب اس حضور میں نہ خواب زلیخا گناہ ہے، نہ دامن یوسف کی شکستگی مگر تقدیس کا تقاضا ہے کہ خالق کل کی تسبیح سے کسی لمحہ غافل نہ ہوا جائے۔ گناہ ایک طرف سزا تو تصور گناہ کی ملتی ہے۔

غالب: پیر و مرشد آپ تو اس سے کوسوں دور ہیں۔ پھر بھی خواب زلیخا پر میرا ایک شعر سن لیجیے اور مجھے مرشد زادہ شاہ عالم کے پاس جانے کی اجازت دیجیے۔

صاحب: شاد رہیے۔ دنیا میں تو آپ نے کلام بھیجا نہیں۔ برادر نسبتی مرزا ضیاء الدین کے کتب خانہ لٹ جانے کی اطلاع دی پر کا جواب منحصر کر دیا تھا۔

غالب: شرمسار ہوں، وہ حقیقت تھی۔ شعر عرض ہے۔

ابھی آتی ہے بو بالش سے اسکی زلف مشکیں سے
ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے

صاحب: کیا متصوفانہ تخیل ہے ان ہی خیالات سے آپ کو خدا نے یہ درجہ دیا ہوگا کہ آج ہم آپ سے ہم کلام ہیں۔

غالب: اس کے کرم سے نا امیدی کفران نعمت کی بات ہوگی مگر حق تو یہ ہے کہ مجھے ان متصوفانہ کلام کے سبب نہیں بخشا گیا ہے.... یا بخش جاؤں گا؟!

صاحب: پھر کیا سبب ہوا؟ آپ کا قیام یہاں کہاں ہے؟ کس علاقہ میں ہے؟

غالب: فی الحال تو برزخ میں ہوں اس لیے کہ ابھی کل منکرین و منکرین نبوی و امامت مرتضوی اس دنیا سے اس دنیا میں نہیں آئے ہیں

صاحب: (حیرت سے) تو آپ سے مطلب؟

غالب: مطلب یہ کہ مجھے دوزخ کا ایندھن ہو نا ہے تاکہ ان سب منکرین و منکرین کو جلاؤں، ورنہ خداوند عالم کو میرا دوزخ میں جلانا ہرگز مقصود نہ ہوگا۔

صاحب: (آبدیدہ ہو کر) خدا انکی آمرز۔ مرزا صاحب آپ ہی کا ایک شعر آپ کو سناتا ہوں اور بخشائش کی دعا کرتا ہوں۔

جو ہے تجھ پہ سودائے انتظار تو آ
کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

غالب: (ہنس کر) ؎

چشم دلاّل جنس رسوائی
دل خریدار ذوق خواری ہے

اچھا حضرت اب آخری سلام پیش کرتا ہوں (اٹھتے ہوئے)

صاحب: اچھا رخصت (ہاتھ ملا کر) اب آپ آرام کیجیے۔

غالب: آرام کہاں؟ نیند کہاں؟ برزخ میں تو انتظار ہی کرنا مقسوم ہے نہ جانے کب اور کہاں کا حکم ملے؟ دنیا میں یہ شعر کہا تھا، یہاں بھی صادق آتا ہے ؎

دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالبؔ
دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالبؔ

صاحب: خوب۔ خوب۔ کیا عکاسی ہے (چند قدم آگے بڑھتے ہوئے غالب ہمراہ ہیں)

غالب: یہی نہیں آخری ایک شعر اور عرض کرتا ہوں ؎

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالبؔ

(تمام حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ قدم قدم ہمراہ چلتے ہیں پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے یہاں تک کہ قدموں کی آخری آواز بھی ختم ہو جاتی ہے۔

(پردہ گر جاتا ہے)

منظر دوم

(غالب اور شاہ عالم مارہروی سے زندگی میں ملاقات ہوچکی تھی ۲۸۲ھ میں صفیر بلگرامی کے ہمراہ بغرض ملاقات غالب دہلی گئے اور ۲ ماہ سے زائد عرصہ جہاں غالب رہے تھے حضرت صاحب عالم، صاحب مارہروی نے آم کے ۲ ٹوکرے بھی غالب کو تحفہ میں بھیجے تھے اس ملاقات کی مکمل تفصیل جلوۂ خضر تذکرہ صفیر بلگرامی میں موجود ہے۔

غالب عالم خیال سے، عالم فانی میں شاہ عالم سے ملنے آتے ہیں شام عالم سروقد کھڑے ہوکر تعظیم بجالاتے ہیں، غالب ان کو سینہ سے لگاکر دعا دیتے ہیں۔ شاہ عالم گرمی لطف وکرم سے متاثر ہوکر، نہایت تکریم سے انہیں تخت خاص کی طرف بیٹھنے کی گزارش کرتے ہیں۔ دیر دہ اٹھتا ہے،

غالب ادب سے) یہ تخت سادات کا ہے، صوفیا کا ہے، مجھ جیسے نجس کی جگہ یہ نہیں ہے۔

شاہ حضرت قدسی صفات کے بعد اب کوئی صوفی نہ رہا۔ ہم سب تو عاصی ہیں۔

غالب: خیر: (مونڈھے کی طرف رُخ کرکے) یہیں یہاں سکون پاؤں گا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے چارپائی پر جو کیف ملے گا وہ اور کہیں نہیں۔

شاہ: تو حضرت ادھر زحمت کریں (پلنگ پوش ہٹاکر) اس پر آرام کریں۔

غالب: (بیٹھتے ہوئے) ہاں یہ سکون کی جگہ ہے۔ اب تم میرے آرام کی نہیں، آم کی فکر کرو۔

شاہ: آم بھیگے ہیں جتنے چاہے کھائیے۔

غالب: (شاہ عالم کی طرف رُخ کرکے۔ بے تکلف کہتا ہوں اس قدر آم کھاتا تھا کہ پیٹ اپھر جاتا تھا اور پیٹ میں دم نہ سماتا تھا اب بھی کھالیتا ہوں مگر دس بارہ اور اگر پیوندی ہوئے تو پانچ ورنہ سات۔

شاہ: آپ پیوندی یا قلمی جو چاہے حاضر ہیں۔

غالب (درد سے کراہ کر) (پہلو بدل کر) نہیں میاں اب وہ دل کہاں سے لاؤں اور وہ طاقت کہاں سے پاؤں جو آموں کی گنجائش نکالوں۔ اب تو پاؤ بھر گوشت کا شوربہ اور تھوڑا گھی۔ یہی غذا ہے اور اتنی ہی کی گنجائش۔

شاہ: آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے جب میں آپ کی خدمت میں صفیر بلگرامی کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تھا تو آپ نے پانچ خوان میں کھانے ہمارے واسطے بھیجے تھے ان میں کیا نہ تھا۔ قورمہ، قلیہ، شیرمال، پلاؤ۔ زردہ اور متنجن و

شیر برنج کے سوا آم بھی تھے۔

غالب: اور ٹھنڈے کنوئیں کا پانی۔

شاہ: بقول ظفر۔ واقعی بہت سرد، بہت شیریں۔

غالب: خیر، چھوڑو اور سناؤ کیا حال چال ہیں۔

شاہ: شکر خداوندی ہے۔ کرم ہے، احسان ہے۔ اب آپ آرام کیجئے۔

اس طول کلامی کے بعد غالب تکان کے باعث سو جاتے ہیں ایک ملازم حاضر ہوتا ہے، دیکھ کر اور غالب کو سوتا پا کر چلا جاتا ہے شاہ عالم حاضر ہوتے ہیں وہ بھی غالب کو محو خواب پا کر لوٹ جاتے ہیں قدم کی آہٹ سے غالب کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ صبح نمودار ہو چکی ہے۔ اب ان کو اندازہ ہوتا ہے کہ شام کو آئے تھے، رات کو گفتگو میں تاخیر اور اپنی ضعیفی کے سبب ایسا سوئے کہ صبح دم بیدار ہوتے (وقفہ۔ طویل وقفہ) اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھئے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

شاہ: (آواز سن کر) کمرے میں داخل ہوتے ہیں، تسلیم

(یہ تمام گفتگو پس پردہ ہوتی ہے جب پردہ اٹھتا ہے تو غالب چارپائی پر اور شاہ عالم قریب ہی مونڈھے پر بیٹھے دکھائی دیں، دونوں محو کلام ہیں)

(پردہ اٹھتا ہے)

غالب: مخدوم زادہ والا تبار حضرت شاہ عالم سلام و دعائے درویشانہ قبول فرمائیں۔

شاہ: دعا دیجئے۔ سلام پیش کرنا تو میرا فریضہ ہے۔ ابھی کل ہی سفر سے واپس آیا ہوں۔

غالب: آپ کا بخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم لینا اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو۔ یوسف از مصر بکنعاں آمد۔

شاہ: میرے مسودات نظر عالی سے گزرے؟

غالب: تفرقہ اوقات و سفر رام پور و شدت تموز مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز تمہارے مسودات دیکھے نہیں گئے۔

شاہ: تو کب تک توقع رکھوں۔

غالب: "تا نزول باران رحمت الٰہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو۔ اپنے ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیے گا اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مرشد، ہم عمر، ہم فن کو وہ سلام، جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے۔

شاہ: (دل گرفتہ ہو کر) آپ نے اپنے ایک کرم نامے میں مجھے لکھا تھا۔

غالب: وہ کیا؟

شاہ: میرا سلام پہنچائیے گا اور عرض کیجیے گا کہ آرزوئے دیدار حد سے گزر گئی۔

غالب: (یاد کرتے ہوئے) (سلسلۂ کلام قطع کرتے ہوئے) یا رب جب تک حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور

ان سے ہم کلام نہ ہوں میری روح کو قبض ہونے کا حکم نہ ہو.....

شاہ : (قطع کلام کی معذرت کرتے ہوئے) فال بد منہ سے نہ نکالیے۔

غالب : (نظر انداز کرتے ہوئے) ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں آپ کے محرم سے اس ذالحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے۔

شاہ : (آبدیدہ ہو کر) حضرت والد ماجد کے بعد آپ کی یاد کا دم غنیمت ہے۔

غالب : (مسکرا کر) خیر۔ مشفقی مکرمی چودھری عبدالغفور صاحب کو میرا سلام کہیے گا اور یہ پیام پہنچائیے گا کہ حضرت صاحب عالم کی تمنائے دیدار بقید مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے۔

خواہش وصل مقدر ہے جو مقدور نہیں۔

شاہ : تو یوں کہیے۔ چودھری صاحب کی یاد ستا رہی ہے۔

غالب : اور ان کے اس خط کا جواب، جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے موم جامہ میں لپیٹ کر بھیجوں گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

شاہ : اچھا حضرت میر وزیر علی بلگرامی کے متعلق کوئی اطلاع ہے۔

غالب : ہاں جناب شاہ عالم صاحب پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلہ پر چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہیں میر فی صاحب کا کام ان کے سپرد ہوا ہے۔

شاہ : کس نوعیت کا؟

غالب : ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں اور ہزار روپیے تک کا مقدمہ

عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز قائم مقام ہیں۔

شاہ: کس کی جگہ پر؟

غالب: وہ صاحب جن کا نام (کبھ) لکھ آیا ہوں بطریق رخصت سپاٹو گیا ہے۔

شاہ: تو گویا وہ آپ سے بلاقی نہیں ہوئے۔

غالب: ایک دن فقیر بھی اُن کے مکان پر چلا گیا تھا حُسن صورت اور حُسن سیرت دونوں ان میں جمع ہیں۔ آنکھیں ان کے حُسن صورت سے روشن ہو گئیں

شاہ: اور دل؟

غالب: ان کے حُسن سیرت سے خوش ہو گیا۔ واہ خاک پاک بلگرام! میں نے دہلی کے جس بزرگوار کو دیکھا بہت اچھا پایا۔ (۱۸۶۰ء)

شاہ: یہ آپ کی قدر دانی ہے حسن ظن ہے۔

غالب: قدر دانی کیسی؟ حُسن ظن کیسا؟ حقیقت۔ امر واقعہ ہے۔

شاہ: واقعہ تو یہ ہے کہ آپ کی مہر و محبت ہے۔ شفقت و عنایت ہے نظر و کرم ہے۔

غالب: مخدوم زادۂ عالی شان مقدس دودمان حضرت شاہ عالم امن و امان و عز و شان و علم و عمر سے برخوردار رہیں،

شاہ: بندہ اظہار ممنونیت عرض کرتا ہے اور کچھ فرمان؟

غالب: ہمارے حضرت ہم کو بھول گئے۔

شاہ: کون؟ میں؟

غالب (بات کو قطع کلام کرتے ہوئے) ہاں سچ ہے ان کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر و محبت کا عرض تھا۔ جب جوہر نہ رہا تو عرض کہاں؟

شاہ : یہ روئے سخن کس کی طرف ہے ؟

غالب : بہر حال جناب حضرت صاحب عالم صاحب کو میری بندگی پہنچ جائے اور یہ باتیں (سطریں) ان کی نظر سے گزر جائیں ۔

شاہ : گویا آپ چودھری صاحب سے شاکی ہیں ؟

غالب : (مسکرا کر) چودھری عبدالغفور خاں صاحب کو سلام کہیے گا ۔

شاہ : اور ... ؟

غالب : یہ پوچھیے گا کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اس کے سوا کوئی اور قصور ہے ؟ اگر وہی جرم ہے تو معاف کیجھے گا ۔ اگر کوئی اور جرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجیے گا ۔

شاہ : ایک خط میں نے آپ کے نام اور دوسرا ڈپٹی صاحب کے نام بھیجا تھا ۔ ان کی رسید آپ کی طرف سے نہیں آئی ۔

غالب : ان دو پیاموں کی تبلیغ کے بعد پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے ۔ آپ کا خط میرے نام اور اس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر وزیر علی صاحب کے نام کا پہنچا تھا وہ پڑھا اور بھجوا دیا ۔ جو آدمی خط لے کر گیا تھا ۔ وہ دوبارہ جواب مانگنے کو گیا ۔

شاہ : بلا سبب زحمت ہوئی ؟

غالب : پہلی بار حکم ہوا کہ کل آیئو ۔ دوسری بار حضرت نہ ملے ۔ میں نے اس کو جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمت گزاری کی آپ کو اطلاع دی ۔

شاہ : ان سے ایسی توقع نہ تھی ۔

غالب : (یاد کر کے ، اپنے اضمحلال قویٰ پر نفرین کرتے ہوئے) ہائے اس یاد کا بُرا جائے ۔ میں نے تم کو لکھا تھا کہ :-

"یائے تحتانی لکھ چکا تھا کہ ایک چپراسی آیا اور اس نے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا۔ اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا مع ان کے خط کے ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں، صبح کا وقت، یکشنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵ اگست کی ہے۔ ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی ان کے حالات ان کے خط سے معلوم ہو جائیں گے۔"

شاہ: مجھے آپ کا یہ کرم نامہ نہیں پہنچا۔

غالب: میں نے اسی خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ:

"اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں فقیر کی دعا پہنچائیے گا۔

(والسلام)

(۸ صفر ۱۲۷۷ھ۔ ۲۵ اگست ۱۸۶۰ء)

شاہ: اصلاح مجھ تک یہ تحریر نہیں پہنچی۔ ورنہ میں تجاہل سے کام کیوں لیتا؟

غالب: تم تک میری تحریر نہیں پہنچی۔ گویا ڈاک میں تلف ہو گئی۔ افسوس۔

شاہ: میری بدقسمتی ہے۔

غالب: اسی لیے میں خط بیرنگ بھیجنے کا قائل ہوں۔

شاہ: یہ تو درست ہے لیکن بار بلا سبب کا۔

غالب: کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔ بقول شاعر ؎

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟

شاہ: سبحان اللہ کیا شعر فرمایا ہے۔ لیکن یہ شعر تو خود آپ کا ہے۔

غالب: کون کہتا ہے؟ سنا نہیں ہے کہ

فرصتِ کاروبار شوق کسے؟
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں؟

شاہ: اور کلام بھی عطا ہو۔

غالب: تم جس کو کلام کہتے ہو، وہ کلام نہیں ہے۔ مشاہدہ ہے۔ واقعہ ہے۔ واردات ہے۔

ورنہ سہ

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

(اٹھتے ہوئے) اچھا مخدوم زادہ والا تبار۔ اب حضرت رخصت ہوتا ہوں۔ میں عاصی ہوں، تم سیدی، میری بخشش کی دعا کرتے رہنا خدا حافظ!

شاہ عالم: خدا حافظ! قدموں کی آواز

(پردہ گر جاتا ہے)

مختصرات غالب

غالب دہلوی کے متعلق چند مفید معلومات:۔

باپ کا نام : مرزا عبداللہ بیگ عرف دولھا

چچا کا نام : مرزا نصراللہ بیگ

ماں کا نام : عزت النساء بیگم

نانا کا نام : خواجہ غلام حسین کمیدان

خسر کا نام : نواب الہی بخش خاں، معروف

بیگم کا نام : امراؤ بیگم

غالب کا نام : مرزا محمد اسد اللہ خاں بیگ عرف نوشہ

بڑی بہن کا نام : چھوٹی خانم

چھوٹے بھائی کا نام : مرزا یوسف (بحالت جنون ۱۹ر اکتوبر ۱۸۵۷ء کو دہلی میں انتقال کیا غالب نے "دریغ دیوانہ" تاریخ کہی۔ "رہے" کے عدد قطعہ تاریخ میں سے گھٹائے جائیں گے)

وفات بیگم غالب : ۱۲۸۶ھ

استاد غالب : مولوی محمد معظم (جن سے ابتدائے عمر میں فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ دوران قیام آگرہ)

شغل : شعر گوئی، خطوط نویسی، مطالعہ کتب اور شراب نوشی۔
تخلص : پہلے اسد بعدہٗ غالبؔ تخلص اختیار کیا۔
بچپن : غالب کی عمر ۵ سال کی تھی کہ ایک معرکہ میں باپ کا انتقال ہوگیا۔ سال ۱۸۰۲ء۔ قبر راج گڑھ میں ہے۔
غالب کی عمر ۹ سال تھی کہ شفیق و مہربان چچا نے ۱۸۰۶ء میں دار فانی سے عدم جاودانی کی راہ لی۔
غالب کی عمر ۱۳ سال تھی کہ امراؤ بیگم بنت نواب الٰہی بخش خاں معروف سے رشتۂ ازدواج ہوا۔
قوم : ایبک قوم کے ترک تھے۔ اے کے معنی چاند، بک کے معنی کامل یعنی پورا چاند، ماہ کامل۔ چودھویں کا چاند
ولادت غالب : ۸ رجب ۱۲۱۲ھ۔ وقت صبح ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء
وفات غالب : ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ۔ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء
کل مدت عمر : ۷۳ سال ۳ ماہ ۲۳ دن زندہ رہ کر عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا۔
مولد : آگرہ
مدفن : دہلی، بستی حضرت نظام الدین اولیاء
ملازمت : بعد انتقال شیخ محمد ابراہیم ذوق۔ بہادر شاہ ظفر کے ۱۲۷۱ھ میں استاد مقرر ہوئے۔ والیٔ رام پور نواب محمد یوسف علی خاں و کلب علی خاں نے بھی آپ سے تلمذ حاصل کیا۔ دہلی کالج میں فارسی کے معلم کی حیثیت سے تقرر ہونے والا تھا مگر اپنی انا کی وجہ سے واپس چلے آئے۔ بے شمار دوستوں اور

شاگردوں کے کلام پر اصلاح دی۔

خطابات: نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ کے خطابات ۱۲۶۶ء
میں شاہ ظفر نے عطا کئے تھے۔

سفر: تین طویل سفر کئے۔ ایک ۱۸۲۷ء میں کلکتہ کا۔
دوسرا ۱۸۶۰ء میں رام پور کا
تیسرا اکتوبر ۱۸۶۵ء میں رام پور کا
ان کے سوا لکھنؤ، بنارس، میرٹھ اور مراد آباد میں
قیام بھی دوران سفر کئے۔

غذا: غالب کو بھنی روٹی اور آم بے حد مرغوب تھے۔ آخر عمر میں
ان کی غذا خود ان کی تحریر کے مطابق یہ رہ گئی تھی۔
: غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرہ بادام مقشر۔
دوپہر کو گوشت کا پانی۔
سر شام تلے چار کباب
سوتے وقت پانچ روپیہ بھر شراب
اور اسی قدر گلاب

عشق: حاتم علی بیگ مہر کے نام ایک خط میں: ستم پیشہ ڈومنی
سے عشق کا اقرار کیا ہے۔

ممدوح: مرزا علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ۱۴ اپریل ۱۸۶۱ء
کو لکھتے ہیں:

"علاء الدین خاں تیری جان کی قسم میں نے پہلے لڑکے کا
اسم تاریخی نظم کر دیا تھا وہ لڑکا نہ جیا۔ یہ میری

نحوست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دے

واجد علی شاہ تین قصید دں کے متحمل ہوئے پھر نہ سنبھل سکے۔"

جرم و سزا : بجوسر دشطرنج بازی کے جرم میں ۱۲۶۴ھ میں قید کی سزا ہوئی تھی۔

مدت سزا : چھ ماہ مقرر ہوئی لیکن ڈاکٹر کی سفارش کے سبب ۳ ماہ بعد رہائی مل گئی۔

شادی : ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو ہوئی۔

اولاد : سات بچے پیدا ہوئے لیکن زندگی نے کسی سے وفا نہ کی۔

قیام آگرہ : ابتدائی ۱۳ سال عمر۔

قیام دہلی : شادی دہلی میں ہوئی اور موت تک وہیں مقیم رہے۔

ملکیت : ساڑھے باسٹھ روپے ماہوار پنشن کے سوا کوئی مستقل آمدنی نہ تھی۔ ساری عمر کرایہ کے مکانات میں گزری۔

طبع غالب : بے حد ذہین ازیرک، صاحب فن وعلم، بزلہ سنج اور مزاحیہ طبیعت پائی تھی۔

ملازم غالب : کلو، مداری، کھمن، نیاز علی، بی وفادار وغیرہ کے نام خطوط غالب میں نوکر و ملازم کے طور پر ملتے ہیں۔

غالب اور ہندستان : مرزا قوقان بیگ خاں سمرقند سے ہندستان آئے اس وقت مغلوں کی سلطنت کا چراغ اپنی آخری منزل سے گزر رہا تھا۔ نواب معین الملک عرف میر منو، پنجاب

کے ناظم اعلیٰ تھے۔ مرزا قوقان بیگ نے اول اول ان ہی کی ملازمت اختیار کی۔ بعد میں دلی چلے گئے۔ وہاں سے شاہ عالم ثانی کے عہد میں پہاسو ضلع بلند شہر کا تعلقہ ذات و رسالے کی کفالت کے لئے پایا۔ ان کی دو اولادوں کے نام تاریخ نے اپنے صفحات میں قلم بند کئے بڑے بیٹے کا نام مرزا عبداللہ بیگ خان عرف مرزا دولھا اور دوسرے مرزا نصراللہ بیگ خان دونوں بھائی فوج سے وابستہ رہے اور کسی نہ کسی رئیس، نواب یا راجہ سے متعلق رہے۔ اور اسی میں جان دی۔

پہلا اردو خط: قیاس ہے کہ غالب نے اردو میں جو خطوط لکھے وہ ۱۸۴۸ء سے بہت قبل یا اس کے قریب ہی لکھے۔ اس لئے کہ منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام فارسی و اردو میں ایک چیز کی طلب میں جو خطوط ملتے ہیں۔ ان میں فارسی کا ایک خط دسمبر ۱۸۴۸ء کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن تقاضا، طلب اور تاکیدی خط اردو میں غالب نے ان کو ارسال کیا۔

خطوط غالب: غالب کے خطوط کی اشاعت کا سب سے پہلی بار انتظام کرنے کا خیال منشی شیو نرائن آرام نے کیا تھا۔ مگر غالب نے اپنی طبع کے خلاف جانا اور اس رائے سے اختلاف کیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب چودھری عبدالغفور سرور مارہروی نے اپنے نام کے خطوط ترتیب دے کر "مہر غالب" کا نام تجویز کیا تو غالب مجبوراً آمادہ ہو گئے

اس کے بعد خواجہ غلام غوث بے خبر نے علمی خطوط کی فراہمی کا کام شروع کیا۔ جس کی خود غالب نے امداد کی اور بعد ترتیب یہی مجموعۂ خطوط مطبع مجتبائی میرٹھ سے "عود ہندی" کے نام سے غالب کی وفات کے ۳ یا ۴ ماہ قبل شائع ہوا۔ اس کے بعد لاتعداد نسخے شائع ہوئے جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

الزام سکہ: غالب پر ایام غدر ۱۸۵۷ء کے ایک جاسوس گوری شنکر نے انگریزوں کو خفیہ اطلاع دی کہ ۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو جب بہادر شاہ نے دربار کیا تو مرزا غالب نے "سکہ" کہہ کر ان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

بزر زد سکۂ کشور ستانی

سراج الدین بہادر شاہ ثانی

غالب نے اس الزام سے بری ثابت ہونے کی جس قدر کوشش کی، سب بے سود ہوئی۔

اشاعت دیوان غالب: منشی شیو نرائن آرام کے طلب و تقاضے پر غالب نے ۲۵ جون ۱۸۶۰ء کو بذریعہ پارسل ڈاک بغرض اشاعت روانہ کیا تھا۔ اس سے قبل عظیم الدین احمد ساکن میرٹھ کی خواہش کے مطابق منشی نیاز علی کے کہنے پر اس کی طباعت پر راضی ہو گئے تھے۔ صحت کی ذمہ داری نواب مصطفیٰ خاں نے قبول کی تھی مگر ۱۸۶۲ء تک غالب و آرام کے درمیان خطوط کا سلسلہ ہی جاری

رہا۔ طباعت بعد میں ہوئی۔

تصانیف: دستنبو۔ قاطع برہان۔ سبد چین۔ عود ہندی۔ دیوان غالب

غالب صدی: ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء کو غالب کی وفات ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے سال ۱۹۶۹ء کا پورا سال غالب صدی کے طور پر منایا گیا اور ہند وسندھ کے علاوہ تمام دنیا میں غالب کے فن اور ان کے اقدار پر صاحبان علم وفن نے مقالے لکھے اور مضامین پڑھے۔ جشن خاص کا اہتمام کیا گیا۔

عطیہ غالب صدی: امروہہ کے ایک تاجر کتب نے بھوپال سے دیوان غالب قلمی کا نادر ونایاب نسخہ حاصل کیا۔ ہندوستان میں اکبر علی خاں رام پوری کی وساطت سے منظر عام پر آیا اور بھوپال میں بھونچال آگیا محمد طفیل مدیر "نقوش" لاہور نے نہایت دیدہ زیب طریقے سے اس کی اشاعت پاکستان میں کرائی اور صاحب نظر سے داد حاصل کی۔ اس طرح ہم اس نسخہ کو عطیہ غالب صدی کہہ سکتے ہیں۔

غالب نما

سید مرتضیٰ حسین بلگرامی نے غالب دہلوی کی نگارشات کا جس دلنوازی اور گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اُس کا علم اِس "قلمی نزاشے" کے مطالعہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

مرتب کی کئی سالہ کاوشوں اور دیدہ ریزی سے یہ نادر اور علمی جواہر پارے یک جا ہوئے۔ اُن پر بصیرت افروز، آگہی، علم و عرفان کے خیالات کے اظہار نے خود غالب کی تحریروں کے سمجھنے اور مکان و زماں کی حدوں کو مقرر کرنے میں آسانی فراہم کر دی ہے۔

ٹائٹل کور مشہور آرٹسٹ سید آل امام بلگرامی کا مرہون کرم ہے۔

غالب نما کی قیمت مجلد ۵۰/۲ روپے

ناشر: بک سینٹر ڈگی روڈ۔ علی گڑھ ۲